اور

احیائے دین

کیپٹن شکیل احمد اعوان

کیڈیمی رجسٹرڈ لاہور

اور

کیپٹن شکیل احمد اعوان

رضا اکیڈیمی رجسٹرڈ لاہور

سلسلہ مطبوعات نمبر ۴۷

نام کتاب .... امام احمد رضا اور احیائے دین

تصنیف .... کیپٹن شکیل احمد اعوان

ناشر .... رضا اکیڈمی

کمپوزنگ .... ایم یو کمپوزنگ ایسوسی ایٹس دربار مارکیٹ لاہور

مطبع .... احمد سجاد آرٹ پریس موہنی روڈ لاہور

ہدیہ .... دعائے خیر بحق معاونین رضا اکیڈمی رجسٹرڈ لاہور

عطیات بھیجنے کے لیے

رضا اکیڈمی اکاؤنٹ نمبر ۳۸ / ۹۳۸ حبیب بنک

دن پورہ برانچ لاہور

بذریعہ ڈاک طلب کرنے والے حضرات ....

۵/- روپے کے ٹکٹ ارسال کریں

ملنے کا پتہ

رضا اکیڈمی رجسٹرڈ مسجد رضا محبوب روڈ چاہ میراں، لاہور پاکستان

کوڈ نمبر ۵۴۹۰۰ فون نمبر ۲۵۰۴۴۰

فہرس

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اِنتساب

غلبۂ اِسلام کی انقلاب آفرین

عالمگیر تحریک

انجمن طلبۂ اسلام

کے پُرعزم اور جیالے

کارکنان کے نام

"بڑھ رہے ہیں منزلوں کی سمت صبح و شام

اس زمیں پہ مصطفیٰ ؐ کا لائیں گے نظام"
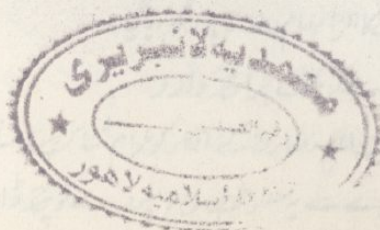
پیش لفظ

امام اہل سنت حضرت مولانا شاہ احمد رضا خان قدس سرہ العزیز ان آئمہ حق میں سے ہیں جنہوں نے اپنی ساری زندگی خدمت اسلام اور محبت سید الانام علیہ التحیۃ والسلام میں گزار دی حضرت امام رضا رح نے دشمنان اسلام سے چومکھی جنگ لڑی انگریز، ہندو، قادیانی، نجدی، رافضی اور دوسرے سب باطل پرست فرقے اور گروہ حضرت رح کے خاراشگاف قلم کے مقابل نہ ٹھہر سکے جس موضوع کو موضوع سخن بنایا حق تحقیق ادا کر دیا گذشتہ تین چار صدیوں کی اسلامی تاریخ اتنا بڑا جامع العلوم پیش کرنے سے قاصر رہی ہے آپ میدان تحقیق کے وہ شہسوار ہیں کہ مداہنت اور باطل سے مصالحت آپ کے قریب نہیں پھٹکی بات وہی ہے کہ۔

؎ "جس سمت آگئے ہو سکے بٹھا دیئے ہیں"

باطل پرستوں نے آپ کے خلاف ایکا کر لیا تھا اور یہ سلسلہ آج تک جاری ہے آپ کے خلاف طرح طرح کی الزام تراشیوں کا سہارا لیا گیا لغویات کا طومار باندھا گیا لیکن باطل کے پاؤں کہاں ہوتے ہیں یہ طوفان بدتمیزی بڑی شدت سے اٹھا ماحول پر چھا گیا لیکن اب یہ جھوٹ کے بادل چھٹ رہے ہیں اور حقیقت کا نور ظہور پا رہا ہے۔

امام بریلوی رح اور ان کے متبعین نے خدمت اسلام کو شعار بنایا تھا مخالفین اور معاندین نے نہرو و گاندھی کو اپنا ملجا و ماوی ٹھہرایا تھا مگر یہ حالات کی کتنی ستم ظریفی ہے کہ نہرو کے غلام اور گاندھی کے بھگت راہنما ٹھہرے اور انہیں اسلام کی ترجمانی کا حق دے دیا گیا اور اسلام دشمنی، بدعت پرستی اور شرک کی علم برداری کا الزام امام رضا رح پر رکھ دیا گیا۔

؎ چہ دلاور است وزدے کہ بکف چراغ دارد

گذشتہ محدود سے عرصے میں امام رضا رح کے افکار کو عوام شناس بنانے کے لئے بڑا کام ہوا ہے حقیقت کے نورانی چہرے سے یہ مصنوعی دبیز پردے نوچ ڈالے گئے ہیں ہمارے

مفکرین ہمارے اہل قلم، ہمارے خطباء و مقررین اور ہمارے دانشوروں نے بہت کام کیا ہے اور یہ قافلہ عشق و محبت ابھی پوری قوت سے آگے بڑھ رہا ہے مخالفین اپنے مذموم حرکات بروئے کار لارہے ہیں لیکن اب حقیقت کو مزید چھپانا کسی کے بس میں نہیں رہ گیا ایک بین الاقوامی پلیٹ فارم پر آسٹریلیا کی ایک یونیورسٹی کے ایک طالب علم نے (جو پی ایچ ڈی کے لئے مقالہ لکھ رہا تھا اور جس کا موضوع سخن بیسویں صدی کے پہلے چالیس سال کی ہندوستانی تاریخ تھی) فقیر سے پوچھا "سنا ہے پاکستان میں بڑی تیزی سے بریلویت پھیل رہی ہے"، میں نے جواباً کہا "عجب حال ہے" "حقائق ہمیشہ پھیلا کرتے ہیں"

فاضل بریلوی رحمۃ علمی فکری اور تجدیدی کاموں کو لے کر آگے بڑھے تھے وہی امت کے چودہ سو سالہ نظریات ہیں کیا ان نظریات کے سامنے لیلائے نجدیت کا کوئی متوالا مصنوعی بند باندھ سکتا ہے؟ کیا نہروانی افکار کا کوئی علمبردار قرآن و سنت کی تابانیوں اور معتقدات امت کی بلعانیوں کے سامنے کوئی رکاوٹ کھڑی کر سکتا ہے؟ نہیں اور یقیناً نہیں"، سُنّیت کا کارروان میدان عمل میں کود پڑا ہے انشاءاللہ اب فاضل بریلوی رح کے خلاف سب ہفوات کافور ہوں گے"

امام رضا کے دفاع میں ہمارے نوجوان عزیز تجمل احمد اعوان بھی اپنی قلمی کاوشیں لے کر میدان عمل میں اترے ہیں، میں نے ان کے کتابچہ کو چیدہ چیدہ مقامات سے مطالعہ کیا ہے انشاءاللہ العزیز ہمارا یہ نوجوان قلمکار سُنّیت کی بے حد خدمات سرانجام دے گا۔

امام رضا علیہ الرحمتہ پر وارد کچھ اعتراضات کے جوابات بھی انہیں نے پیش کئے ہیں امام احمد رضا رح اور احیائے دین"، کی جامعیت و کاملیت بھی ثابت کی ہے حوالہ جات بھی پیش کئے ہیں نتائج بھی اخذ کئے ہیں مخالفین و معاندین کے نظریات کا تجزیہ بھی کیا ہے یہ ان کی پہلی کوشش ہے اور ہمیں امید واثق ہے کہ وہ تحقیق کے سمندر کی پہنائیوں میں اتر کر بڑے قیمتی موتی اہل سنت کی نذر کریں گے ہم نقش اول کے بعد نقش ثانی کے منتظر رہیں گے اللہ تعالیٰ اپنے محبوب کریم علیہ التسلیم کے صدقے میں ان کے علم و عمل میں برکتیں نازل فرمائے۔

نیاز نشان پروفیسر سید ذوالفکر حسین شاہ ایم اے پرنسپل جامعہ محمدیہ غوثیہ انوار القرآن
صدر راولپنڈی

مقدمہ

از جناب ڈاکٹر سید مطلوب حسین

پاکستان کی چہل سالہ تاریخ میں گزشتہ ایک دہائی فکری، معاشرتی، سیاسی اور اخلاقی سطحوں پر خاصی انفرادیت اور اہمیت کی حامل رہی ہے۔ اس دوران میں اسلامی اقدار و روایات کی نشو ونما کے لیے ایک خاص فضا سازگار ہوئی ہے جس کی حیثیت عبوری نہیں بلکہ بنیادی ہے اس دور میں نوجوان نسل خاص طور پر واضح نمایاں اور مُثبت تبدیلی پر گامزن ہوئی ہے، جس کی بڑی وجہ اپنے درخشاں ماضی کا عرفان، حال کی شناخت اور مستقبل کی فکر ہے۔ اقوام وملل کی تاریخ عروج و زوال میں اس احساس یا عدم احساس کا بہت بڑا ہاتھ رہا ہے۔ برصغیر کے مسلمانوں کو جب یہ شعور و ادراک حاصل ہوا اور انہوں نے بیک وقت افرنگ و ہنود کے خلاف عملی جدوجہد کا آغاز کیا تو اللہ تعالیٰ نے انہیں پاکستان کی شکل میں نعمت عظمیٰ سے نوازا۔ یہ سعادت زورِ بازو یا اجتماعی جدوجہد کا نتیجہ تو تھی ہی لیکن اس کے پیچھے توفیق ایزدی کے علاوہ سیاسی اور مذہبی سطحوں پر وہ رہنمائی حاصل تھی جو ایسی تحریکوں کی جان ہوتی ہے۔ یہ کام سیاسی محاذ پر سر سید احمد خان سے لے کر قائدِ اعظم تک مختلف اہم شخصیتوں نے انجام دیا۔ لیکن مذہبی حلقوں سے اگر بھرپور تائید حاصل نہ ہوتی تو شاید صورت حال اسلامیانِ برصغیر کے حق میں مفید نہ ہوتی۔ اس محاذ پر جو کارنامہ اعلیٰ حضرت احمد رضا شاہ خاں بریلوی اور ان کے مکتب سے تعلق رکھنے والے مسلمانوں نے سرانجام دیا

وہ ناقابلِ فراموش ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ مسلم لیگ کے جسم میں حرارت اور نیا خونِ زندگی
اس وقت دوڑا جب بریلوی مکتب کے علماء نے مسلم لیگ کے پروگرام سے اتفاق کیا اور
قائدِ اعظم کو اپنی تمام تر حمایت و تعاون کا نہ صرف یقین دلایا بلکہ عملی جدوجہد میں بھی حصّہ لیا
جو تحریک پاکستان کا ایک اہم حصہ ہے۔ افسوس کا مقام ہے کہ ہم نے اپنے اس محسنِ عظیم کو
فراموش کر دیا۔ حالانکہ ہم اپنی دینی محافل میں ان کا کلام پڑھتے ہیں، سنتے ہیں اور سر دھنتے
ہیں لیکن اگر ان کے بارے میں دریافت کیا جائے تو ایک دوسرے کا منہ دیکھتے رہ جاتے
ہیں۔ یا پھر ان کی وجہ شہرت صرف ایک نعت گو شاعر کی رہ گئی ہے جو اُن کی قدآور شخصیت
کے مقابلہ میں کچھ بھی تو نہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ اسلام کی ابتدائی دو صدیوں کو چھوڑ کر تاریخ میں ان کے منصب و
مرتبہ کے بہت کم لوگ گزرے ہیں۔ وہ بیک وقت اپنے دور کے فقیہہ، مفتی، انشاء پرداز
شاعر بے بدل، ریاضی دان، ہیئت دان اور دیگر علوم متداولہ پر بے پناہ دسترس رکھتے تھے۔
لیکن ان کا اصل کارنامہ احیائے اسلام یا اسلامی نشاۃ ثانیہ ہے۔

۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی میں شکست کے بعد اسلامیانِ ہند کی صرف بساط سلطنت
ہی نہیں لُٹی، بلکہ روحانی، اخلاقی اور علمی متاع کو بھی ناقابلِ تلافی نقصان پہنچا اور بقول
علامہ اقبال

"وائے ناکامی متاع کارواں جاتا رہا
کارواں کے دل سے احساسِ زیاں جاتا رہا"

اس پر طرہ یہ کہ مسلمانوں کی تہذیب و اصلاح کے نام سے ایک تحریک اٹھی جس کا بنیادی
مقصد تو نیک تھا لیکن نتیجہ ... ثمر زیاں کاری اور سُود فراموشی کے سوا کچھ نہ ملا۔ کیونکہ جس
تحریک کا خمیر ہی نام و ناموس رسالت کی عظمت میں کمی پر رکھا گیا ہو اس سے اور کیا توقع ہو
سکتی تھی۔ اس منفی سوچ اور طرزِ عمل نے ہمارے اسلامی تشخص کو بہت نقصان پہنچایا۔

مخالفین اسلام کی ہمیشہ سے یہ کوشش رہی ہے کہ اگر مسلمانوں کو کمزور و ناتواں بنانا ہے تو ان کے قلوب و اذہان سے عشقِ نبیؐ اور حبِّ رسولؐ کے جذبہ کو کم کرو ؎

یہ فاقہ کش کہ موت سے ڈرتا نہیں ذرا
روحِ محمدؐ اس کے دل سے نکال دو

اعلیٰ حضرتؒ نے اس راز کو پا لیا تھا اور انہوں نے اپنے مشن کا آغاز ہی اس بنیاد پر کیا کہ اگر مسلمانوں کو اپنی عظمتِ رفتہ اور شوکتِ گزشتہ کو بحال کرنا ہے تو انہیں اپنے شاندار ماضی کو سامنے رکھ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عقیدت و محبت کے رشتہ کو مضبوط اساس پر استوار رکھنا ہوگا ؎

قوتِ عشق سے ہر پست کو بالا کر دے
دہر میں اسمِ محمدؐ سے اجالا کر دے

اس نام کے اعزاز سے مردہ دلوں کو دھڑکنیں، دھڑکنوں کو حرارت اور بیداری نصیب ہوئی ؎

دلِ بیدار فاروقی دلِ بیدار کراری
مسِ آدم کے حق میں کیمیا ہے دل کی بیداری

اس کیمیا نے اپنا اثر دکھایا۔ دل کی بستیاں آباد ہوئیں۔ اسلامی اداروں کی رونق لوٹ آئی۔ اسلامی اقدار و روایات زندہ ہوئیں۔ کارواں کے دل میں احساسِ زیاں پیدا ہوا جس کے نتیجہ میں متاعِ گمشدہ کی بازیابی ہوئی۔

اس کامیابی کا تمام تر سہرا اعلیٰ حضرت احمد رضا خاںؒ کے سر ہے جو اپنی وفات (۱۹۲۱ء) کے بعد اپنے پیچھے ایک فضا، ایک فکر، ایک لہر اور ایک تحریک چھوڑ گئے۔ جس نے مخالفتوں کی تندی اور حالات کی تلخی کا ہر محاذ پر ڈٹ کر مقابلہ کیا اور حصولِ منزل کو آسان بنا دیا۔

تاریخ کے اس موڑ پر قیامِ پاکستان کے چالیس سال بعد جب وطنِ عزیز میں احیائے اسلام

کی موافقت میں حالات بدل رہے ہیں تو اس بات کی ضرورت ہے کہ ہم اپنے محسنین
کے کارناموں کا تذکرہ کریں اور تاریخ میں اُن کا وہ مقام متعین کریں جس کے وہ مستحق ہیں
اس طائفہ میں اعلیٰ حضرت رحمۃ کا نام چونکہ سر فہرست ہے۔ اس لئے ان کا حق ہم پر واجب ہے۔
اس حق کو تشکیل احمد اعوان نے کتاب "امام احمد رضا اور احیائے دین" لکھ کر ادا
کرنے کی کوشش کی ہے۔ اللہ تعالیٰ انہیں اجر عظیم عطا فرمائے۔ آمین!
تشکیل احمد اعوان ایک صالح نوجوان ہیں۔ اُن پر مذہبی رنگ غالب ہے۔ یہی وجہ
ہے کہ عمر کے اس حصہ میں بھی وقتاً فوقتاً اخبارات و رسائل میں مختلف اسلامی موضوعات
پر لکھتے رہتے ہیں۔ ان کا تعلق طلبہ کی ملک گیر اسلامی تحریک انجمن طلبائے اسلام سے ہے وہ
ضلع راولپنڈی کے خازن اور راولپنڈی شہر کے ناظم بھی رہ چکے ہیں۔ ان کی زیر نظر کتاب میں
نے بغور دیکھی ہے۔ ایک نوجوان اُبھرتے ہوئے مؤلف و مصنف کی ایک عمدہ کاوش ہے یہ
کام بڑوں کے کرنے کا ہے جو انہوں نے اپنی بساط کے مطابق سرانجام دے کر دوسروں
کے لئے ایک اچھی مثال قائم کی ہے۔ اس کتاب کو ہم تحقیقی تو نہیں کہہ سکتے۔ تاہم اس میں ایسا
مواد شامل کر دیا گیا ہے جس سے عام قارئین کے علم میں اضافہ ضرور ہو سکتا ہے اس لحاظ سے
یہ کتاب بنیادی طور پر خاصی اہمیت کی حامل ہے جسے پڑھ کر تشویق مل سکتی ہے۔
اللہ تعالیٰ اس نوجوان کو مزید توفیق دے،

آمین!

سید مطلوب حسین
وزارتِ مذہبی امور پاکستان، اسلام آباد

تقدیم

از جناب میاں عبدالرشید مدظلہ، ممتاز صحافی و کالم نگار

برصغیر پاک و ہند میں حضرت احمد رضا خان بریلوی کی شخصیت تقویٰ، تبحر علمی، خدمت اسلام اور خدمت مسلمانانِ ہند کے لحاظ سے منفرد حیثیت اور شان رکھتی ہے۔ ایک سچے مومن کی طرح آپ اعلائے کلمۃ الحق میں شمشیر برہنہ تھے۔ چونکہ آپ نے نہایت جرأت و بے باکی سے دینی اور سیاسی میدانوں میں بعض نام نہاد مصلحین اور لیڈروں کا بھرم اور طلسم توڑا۔ اس لیے ان کے متبعین نے آپ کے خلاف بے سروپا پراپیگنڈہ کی مذموم مہم چلائی اور ہندو پریس کے تعاون سے اتنا گرد و غبار اڑایا کہ ابھی تک بعض لوگ امام موصوف کا نام سننا تک گوارا نہیں کرتے آئندہ صفحات کے مطالعہ سے معلوم ہو گا کہ حضرت احمد رضا خان صاحب نے بدعات اور بری رسومات کی شدید مخالفت کی مگر چونکہ اس کے ساتھ آپ نے سید اسماعیل دہلوی کے پیدا کردہ شر انگیز قیاسی مسائل کا بھی سختی سے بطلان کیا۔ اس لیے اسماعیل دہلوی کے پیروؤں نے یہ بات مشہور کرنے میں ایڑی چوٹی کا زور لگا دیا کہ امام احمد رضا خان بدعات اور بری رسومات کے حامی تھے اور چونکہ یہ پراپیگنڈہ کرنے والے ہندوؤں کے ساتھ بھائی چارے اور موودت کے حامی تھے۔ اور حضرت احمد رضا خان ہندوؤں کو مشرک اور نجس قرار دیتے تھے اس لیے ہندو اخبارات نے، جن کی ان دنوں کثرت بھی تھی اور جن کی اشاعت بھی زیادہ تھی۔ مخالفین کے اس پروپیگنڈے کو زبردست ہوا دی۔

نام تعلیم یافتہ مسلم طبقہ کو یہ معلوم نہیں ہے کہ اسماعیل دہلوی نے ایسے فرضی مسائل

پیدا کیے تھے۔ جن میں اللہ تعالیٰ کی شان میں بھی گستاخی تھی اور جناب رسول پاکؐ کی بے ادبی اور اہانت بھی۔ مثلاً یہ کہ "جو کہے کہ" اللہ جھوٹ نہیں بول سکتا وہ اللہ کی قدرت کو محدود کرتا ہے" یا جو کہے کہ "اللہ تعالیٰ اب جناب رسول پاکؐ جیسا دوسرا رسول پیدا نہیں کر سکتا وہ اللہ کے اختیار کو محدود کرتا ہے" کوئی (اسماعیل دہلوی) سے پوچھے کہ ایسے من گھڑت مسئلے اٹھانے کی ضرورت ہی کیا تھی ؟ قرآن پاک میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے اوپر رحمت کو لازم کر لیا

ہے۔ تو کیا اس سے اللہ تعالیٰ کی قدرت محدود ہو گئی ہے۔ اسی طرح جب یہ فیصلہ ہو چکا ہے کہ اب حضور اکرمؐ کے بعد کوئی اور نبی نہیں آئے گا تو پھر یہ مسئلہ اٹھانے کی کیا ضرورت تھی کہ اللہ تعالیٰ آئندہ جناب رسولؐ پاک جیسا نبی پیدا کر سکتے ہیں یا نہیں ؟

اسماعیل دہلوی جناب رسول پاکؐ کی بے ادبی اور گستاخی میں بھی بہت آگے نکل گیا مثلاً نبیؐ کی عزت ایسی کرو جیسے بڑے بھائی کی (نعوذ باللہ) "نبی کی حیثیت خدا کے سامنے ایسی ہے جیسے گاؤں کے چودھری کے سامنے گاؤں کے چوہڑے چمار کی" (نعوذ باللہ) اور اسی قسم کی دیگر خرافات کیا ایسی باتیں اصلاحات کا درجہ رکھتی ہیں یا فسادات کا ؟ آج کل کے لوگوں کو یہ بھی علم نہیں کہ ہندو مسلم اتحاد کے حامی کانگریسی علماء ہندوؤں کو جو مشرک اور نجس ہیں مسجدوں میں لے جا کر منبر رسول پاکؐ پر بٹھاتے رہے اور ان سے تقریریں کراتے رہے۔ انہوں نے ہند کو دارالحرب قرار دے کر مسلمانوں کو یہاں سے ہجرت کر جانے کے فتوے دیئے جس سے مسلم عوام سخت تکالیف اور مصائب کا شکار ہوئے۔ اس کا سیاسی نقصان یہ ہوا کہ گاندھی ہندوؤں کے ساتھ مسلمانوں کا بھی لیڈر بن بیٹھا اور مسلمانوں کے مطالبات کے سلسلہ میں کانگریس اور مسلم لیگ میں جو مذاکرات ہو رہے تھے اس نے انہیں ختم کرا دیا۔

انگریز نے ایک سازش کے تحت مسلمانوں کے دلوں سے حضور اکرمؐ کی عظمت نکالنے اور انہیں جہاد سے برگشتہ کرنے کی مہم چلائی تھی۔ اس لیے کہ ملتِ مسلمہ کا اندرونی ربط حضور اکرمؐ کی محبت و عقیدت پر مبنی ہے اور اس کا بیرونی پھیلاؤ جہاد سے وابستہ ہے۔ حضور اکرمؐ کی محبت و عقیدت کم کرنے کے کام کی ابتداء اسماعیل دہلوی اور اس کے پیروؤں نے کی اور جہاد کی تنسیخ کا اعلان مرزا قادیانی نے کیا۔ حضرت احمد رضا خانؒ کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ آپ نے مسلم عوام کے دلوں میں حضور اکرمؐ کی محبت و ادب کو راسخ کرکے دین کو منہدم ہونے سے بچا لیا۔

عبدالرشید
جنوری ۱۹۸۷ء

۸۳۴/ سمن آباد
لاہور

حرفِ تحسین

علامہ مصطفیٰ مجدّدی صاحب
سیکرٹری ادارہ تعلیمات مجدّدیہ شکوگوٹھ

یہ ایک حقیقت ہے کہ اس تجلّی گاہ عالم میں بعض شخصیات کچھ اس انداز سے جلوہ گر ہوتی ہیں کہ دیکھتے ہی دیکھتے ان کے اعلیٰ اطوار و افکار کا پرچم ہر طرف لہراتا ہوا نظر آتا ہے۔ ایسی خوش قسمت شخصیات میں حضرت امام احمد رضا خاں فاضل بریلوی قدس سرہ القوی ایک منفرد اور گوناگوں حیثیت کے حامل بن کر اُبھرے اور تھوڑے سے عرصہ میں آسمان تاریخ پہ آفتاب و ماہتاب کی طرح جگمگانے لگے۔ آپ کے انمٹ نقوش پا آج بھی ہزاروں مسافروں کے لئے مینارۂ نور کی مانند درست منزل کی طرف راہنمائی کر رہے ہیں آپ کے دور میں بڑے بڑے شیوخ، علماء اور اہل تحقیق حضرات نے اپنا سکّہ جما رکھا تھا۔

شبلی کی تاریخ دانی،

حسرت حالی اور داغ کی فسوں خیز شاعری

ابوالکلام کی انشا پردازی

اقبال کی پروازِ تخیل اور طرزِ فکر

اور ظفر و جوہر کی شعلہ نوائی بامِ عروج کو چھو رہی تھی۔

اعلیٰ حضرت جب تمام تر تابانیوں اور تابشوں کے ساتھ منظر تاریخ پہ نمودار ہوئے تو ہر سمت ان کی علمی، فکری، فقہی اور تحقیقی رشحات کا طوطی بولنے لگا ؎

محسن چمن کو اپنی بہاروں پہ ناز تھا
وہ آگئے تو ساری بہاروں پہ چھا گئے

انہوں نے اللہ تعالےٰ کے لطف و کرم، رسول عربی صلی اللہ علیہ وسلّم کی نظرِ رحمت اور شاہ جیلان رضی اللہ عنہ، کی امداد سے جس میدان میں بھی قدم رکھا سرخرو ہوئے۔ کامرانی اُن کے پاؤں چُومنے کو بے تاب نظر آئی۔ آپ خود تحدیث نعمت کے طور پر فرماتے ہیں ؎

ملکِ سخن کی شاہی تم کو رضاؔ مسلّم
جس سمت آگئے ہو سکّے بٹھا دیئے ہیں

وہ اہلسنت کے عقائد و نظریات کے زبردست مبلغ تھے۔ جب اِن عقائد و نظریات کے نازک پھولوں کو پامال کیا جارہا تھا تو انہوں نے آگے بڑھ کر ان کی بقا کا انتظام فرمایا۔ جو ہاتھ بھی ان پھولوں کو شاخِ نخلِ اسلام سے توڑنے کے لئے بڑھا، آپ نے وہ ہاتھ کاٹ کر رکھ دیا۔

آپ مجدّدِ وقت تھے
قافلہ سالار تھے
مرکبِ ایّام نہیں بلکہ راکبِ ایّام تھے
شہسوارِ عرصہ تجدید اور پاسبان گلشنِ اسلام تھے
شرکستانِ ہند میں شیخ سرہندی رضی اللہ عنہ، کی طرح سرمایۂ ملّت کے نگہبان تھے۔

ہاں! ہاں! ایسے نگہبان جو راتوں کے پرہول اندھیاروں میں جاگ کر قوم کی حفاظت کرتا ہے۔

(۲)

زیرِ نظر کتاب ”امام احمد رضا اور احیائے دین“ ہمارے عزیز جناب کیپٹن شکیل احمد اعوان صاحب کی عظیم علمی اور تحقیقی کاوش ہے۔ اس ناچیز نے کتاب کے چند ابواب کا مطالعہ کیا اور ”حرفِ تحسین“ لکھنے کے لئے قلم کو حرکت دی۔ الحمد للہ فاضل مصنّف نے تحقیق اور انصاف کا دامن کہیں بھی نہیں چھوڑا۔ اندازِ بیاں نہایت خوبصورت اور دل نشیں ہے۔ ثابت کیا گیا ہے کہ امام احمد رضا خاں رضی اللہ عنہ، حامی بدعات نہیں بلکہ قاطع بدعات تھے۔ آپ کسی نئے فرقے کے بانی نہیں بلکہ اسلاف کے نقشِ قدم پر چلنے والے تھے۔ آپ نے عقائدِ اسلام کو اُجاگر کیا اور تجدیدِ دین کا اہم فریضہ سرانجام دیا۔ الحاصل! زیرِ نظر کتاب

تمام پہلوؤں سے ایک حسین کاوش ہے۔ ہماری دُعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مصنّف کو مزید ایسی
علمی خدمات سرانجام دینے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

(۳)

آپ جانتے ہیں کہ "رضا اکیڈمی لاہور" اب اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے محتاج
تعارف نہیں۔ اس ادارے نے امام احمد رضا رضی اللہ عنہ، کی بے مثال شخصیت پر تحقیق کا جتنا
کام کیا ہے۔ اس کی مثال دنیا بھر میں بہت کم ہے۔ یہ ادارہ عرصۂ قلیل میں ہزاروں کتابیں
اپنے قارئین کی علمی تشنگی کو دور کرنے کے لئے فراہم کر چکا ہے۔ اس ادارے کے سربراہ
جناب الحاج مولانا مقبول احمد ضیائی صاحب سراپا عشق مصطفےٰ کے سمندر میں ڈوبے ہوئے
ہیں۔ اعلیٰ حضرت کے ساتھ از حد پیار ہے کہ آپ یقیناً اس گئے گزرے دور میں خلوص و
وفا کی تصویر ہیں۔ یہ کتاب بھی آپ کے ہی ذوق سلیم کی منہ بولتی نشانی ہے۔ خوبصورت
کاغذ، دیدہ زیب کتابت، نظر افروز ٹائیٹل اللہ اکبر ع

ہر لحظہ نیا طور نئی برق تجلّی

دُعا ہے کہ مولیٰ تعالیٰ موصوف کو مزید مسلک اہلسنت کی خدمت کرنے کی توفیق
عطا فرمائے۔

این دُعا از من و از جملہ جہاں آمین باد

غلام مصطفےٰ مجدّدی
یکم ربیع الاوّل شریف ۱۴۱۳ھ

پیرِ طریقت حضرت علّامہ علاؤ الدین صدیقی مدّ ظلّہ العالی

بلاشبہ امام احمد رضا فاضل بریلوی قدس سرّہ العزیز نابغۂ روزگار اور عبقری صلاحیتوں کے مالک تھے، دینی حلقوں میں وہ اپنی علمی جلالت اور عملی وجاہت سے بڑھ کر عشقِ رسول صلیّ اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بنیاد پر جانے اور پہچانے جاتے ہیں رسالتماب جناب ختمی مرتبت علیہ الصلواۃ والسلام سے بے پناہ وابستگی کے طفیل آپ اگر ایک طرف عظیم محدّث، بے مثال مفسّر، بلند پایہ مناظر اور مجتہدانہ طرز کے فقیہہ نظر آتے ہیں، تو دوسری طرف میدان تصوّف کے عظیم شہسوار اور آسمانِ طریقت کے نیرّ تاباں بھی دکھائی دیتے ہیں۔

عزیزم شکیل احمد اعوان نے انتہائی ذمہ داری اور علمی دیانت داری سے زیرِ نظر کتاب "امام احمد رضا اور احیائے دین" کو ترتیب دیتے ہوئے آپ کی گراں قدر دینی وسیاسی خدمات کا تذکرہ کیا ہے، اللہ تعالیٰ ان کی اس علمی و تاریخی کاوش کو قبولیت سے نوازتے ہوئے عام وخاص کو اس سے استفادہ کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

آمین ثم آمین بجاہ سید المرسلین

دعاگو پیر علاؤ الدین صدیقی سجادہ نشین دربار نیریاں شریف
(قائدِ تحریکِ نظام مصطفےٰ آزاد کشمیر ۲۲ جنوری ۱۹۸۷ء)

احیائے دین

ذکرِ حیاتِ سرمدی

مسلمانوں کی تاریخ عروج وزوال کی ایک عظیم داستان ہے جب تک مسلمانوں کے قلوب نورِ عشق مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے تاباں و درخشاں رہے قیصر و کسریٰ کے تاج و تخت ان کے قدموں تلے ڈھیر تھے اور جب اہلِ اسلام کے دل اس نورِ لم یزل سے خالی ہوئے تو غرناطہ سے لے کر ڈھاکہ تک ذلت و رسوائی ان کا مقدر بن گئی۔ مفکر اسلام علامہ اقبالؒ اس قوت لافانی کا تعارف یوں کراتے ہیں

"ہر کہ عشق مصطفےٰ سامان اوست

بحر و بر در گوشۂ دامان اوست"

اگر ہم بہ نظرِ غائر تاریخ اسلام کا جائزہ لیں تو ہمیں عبداللہ بن ابی اور عبداللہ بن سبا سے لے کر غلام احمد قادیانی اور نام نہاد مصلحین نجد تک ایک ایسا مذموم سلسلہ نظر آئے گا جو مسلمانوں میں رہ کر ان کے ایمان و ایقان کو لوٹتا رہا۔ لیکن دوسری طرف خلیفۃ الرسول سیدنا صدیق اکبرؓ سے لے کر امام اعظم ابوحنیفہؒ تک اور پھر غوث الاعظم شیخ عبدالقادر جیلانیؒ اور امام ابومنصور ماتریدی سے لے کر مجدد الف ثانی اور امام محمد احمد رضا تک ہمیں ایمان و عشق کی ایسی مضبوط زنجیر نظر آتی ہے جس نے توحید و رسالت کے خلاف ہونیوالی ہر سازش اور ریشہ دوانی کو شل کر کے رکھ دیا۔ احمد رضا اسی زنجیر کی ایک مضبوط کڑی کا نام ہے۔

آپ ۱۴ جون ۱۸۵۶ء بمطابق ۱۰ شوال ۱۲۷۲ھ ہجری کو برصغیر کے مشہور شہر بریلی میں پیدا ہوئے۔ یہ وہ وقت تھا جب پورے برصغیر میں انگریزی مظالم کے خلاف علم جہاد بلند کرنے کے لئے اسلامی حمیت تڑپ رہی تھی اور پھر اگلے ہی سال یہ لاوا پھٹ پڑا مسلمانوں نے پورے برصغیر میں انگریز سامراج کے خلاف علم جہاد بلند کیا جن علماء و مشائخ اہل سنت نے خانقاہوں سے نکل کر مجاہدین آزادی کی سرفروشانہ انداز میں قیادت کی اور فرنگی طاغوت کے خلاف فیصلہ کن جدوجہد کا آغاز کیا۔

ان میں بطل حریت علامہ فضل حق شہید خیرآبادیؒ، مولانا سید کفایت علی کافیؔ مرادآبادی، مولانا عبدالجلیل شہید علی گڑھی، مولانا سید احمد اللہ شاہ مدراسی، مفتی صدرالدین آزردہ دہلوی، مولانا عنایت علی کاکوروی، شہید حریت منشی رسول بخش کاکوروی، مولانا وہاج الدین، مولانا امام بخش صہبائی اور مولانا فیض احمد بدایونی سرفہرست ہیں۔ لیکن عدم تنظیم، پیشہ ورانہ تربیت کی کمی، مضبوط مرکزی قیادت کے فقدان اور غدار عناصر کی وجہ سے یہ تحریک کامیاب نہ ہوسکی۔ اور برصغیر مکمل طور پر فرنگی بربریت کا شکار ہوگیا۔ اس وقت امام احمد رضا کی عمر مبارک ایک سال اور چند ماہ تھی۔ امام احمد رضا کے آباؤ اجداد سمرقند کے ایک پٹھان قبیلہ بڑ ہیچ سے تعلق رکھتے تھے، اور آپ کے جدِ امجد سعید اللہ خان شجاعت جنگ بہادر شاہ جہاں بادشاہ کے دور میں سمرقند سے ہجرت کرکے ہندوستان تشریف لائے تھے۔ امام احمد رضا کے والدگرامی امام المتکلمین علامہ محمد نقی علی خان رحمۃ اللہ علیہ اپنے وقت کے جید علماء میں شمار ہوتے تھے، امام احمد رضا نے اپنے والدگرامی کے علاوہ جن علماء مشائخ سے اسلامی علوم وفنون حاصل کیے ان میں شاہ آلِ رسول مارہروی، شیخ احمد بن زین دحلان مکیؒ، شیخ عبدالرحمٰن سراج مکیؒ، مرزا غلام قادر بیگ، شیخ حسینؒ بن صالح، اور مولانا عبدالعلیؒ رامپوری شامل تھے، آپ نے چار سال کی عمر میں قرآن مجید ناظرہ ختم کیا، چھ سال کی عمر میں عید میلادالنبیؐ کے ایک جلسہ میں بڑی جامع تقریر فرمائی۔ امام احمد رضا کی جلالت علمی کا یہ عالم تھا کہ انہوں نے صرف آٹھ سال کی عمر میں نحو کی مشہور کتاب کی شرح لکھ ڈالی، پھر دو ہی سال بعد ۱۸۶۶ء میں دس سال کی عمر میں مسلم الثبوت پر حاشیہ رقم فرمایا۔ ۱۸۶۹ء میں آپ نے جملہ علوم وفنون کی تکمیل کی، اور آپ کو دستار عطا فرمائی گئی۔ اسی سال مسئلہ رضاعت کے بارے میں ایک مبسوط اور جامع شرعی فتویٰ صادر فرمانے پر آپ کو دارالافتاء کی ذمہ داری بھی سونپ دی گئی۔ ۱۸۷۴ء میں اٹھارہ سال کی عمر میں آپ کی ازدواجی زندگی کا آغاز ہوا۔ ۱۸۷۵ء کو آپ حضرت سید آلِ رسولؒ مارہرہ شریف کے ہاتھ پر بیعت ہوئے۔ اکیس سال کی عمر میں امام احمد رضا اپنے والدگرامی کے ہمراہ حج وزیارت کے لیے بیت اللہ پہنچے، جہاں علماء حجاز نے آپ کی شخصیت سے متاثر ہوکر آپ کو "ضیاالدین احمد" کا لقب دیا۔ ۱۹۰۴ء میں آپ نے بریلی میں برِصغیر کی عظیم اسلامی درسگاہ دارالعلوم منظرِ اسلام کی بنیاد

رکھی۔ ۱۹۰۵ء میں آپ نے دوسرا حج فرمایا، ۱۹۱۱ء میں آپ نے امت مسلمہ کو قرآن حکیم کا مستند ترین اردو ترجمہ "کنز الایمان" عنایت فرمایا۔ نومبر ۱۹۲۱ء بمطابق ۲۵ صفر المظفر ۱۳۴۰ھ کو امام محمد احمد رضا فاضل بریلویؒ اس دنیائے فانی سے عالم جاودانی کی جانب روانہ ہوئے۔

تاریخ برصغیر میں امام احمد رضا کا علمی اور روحانی مقام بہت بلند ہے آپ کو بیک وقت ۵۵ علوم و فنون پر مکمل دسترس حاصل تھی۔ ان علوم و فنون کی تفصیل درج ذیل ہے۔

(۱) علم قرآن (۲) علم حدیث (۳) اصول حدیث (۴) اصول فقہ (۵) فقہ حنفی (۶) کتب فقہ جملہ مذاہب (۷) جدل مہذب (۸) علم تفسیر (۹) علم العقائد و الکلام (۱۰) علم نحو (۱۱) علم صرف (۱۲) علم معانی (۱۳) علم بیان (۱۴) علم بدیع (۱۵) علم منطق (۱۶) علم مناظرہ (۱۷) علم فلسفہ (۱۸) علم (۱۹) علم ہیئت (۲۰) علم حساب (۲۱) علم ہندسہ (۲۲) امام فرماتے ہیں کہ یہ علم میں نے اپنے والدگرامی علامہ محمد نقی علی خاں رحمۃ اللہ علیہ سے حاصل کئے (۲۲) قرأت (۲۳) تجوید (۲۴) تصوف (۲۵) سلوک (۲۶) اخلاق (۲۷) اسماء الرجال (۲۸) سیر (۲۹) تاریخ (۳۰) لغت (۳۱) ادب، ان دس علوم کے بارے میں اعلیٰ حضرت امام احمد رضاؒ فرماتے ہیں کہ یہ علوم میں نے اساتذہ سے بالکل نہیں پڑھے پر نقاد علماء سے مجھے ان کی اجازت حاصل ہے۔ (۳۲) ارثماطیقی (۳۳) جبر و مقابلہ (۳۴) حساب ستینی (۳۵) لوگارثمات (۳۶) علم التوقیت (۳۷) مناظرہ مرایا (۳۸) علم الاکر (۳۹) زیجات (۴۰) مثلث کروی (۴۱) مثلث سطح (۴۲) ہیأۃ جدیدہ (۴۳) ربعات (۴۴) جفر (۴۵) زائچہ (۴۶) نظم عربی (۴۷) نظم فارسی (۴۸) نظم ہندی (۴۹) نثر عربی (۵۰) نثر فارسی (۵۱) نثر ہندی (۵۲) خط نسخ (۵۳) خط نستعلیق (۵۴) تلاوت مع تجوید (۵۵) علم الفرائض ص[۱]

ان تمام علوم و فنون سے امام احمد رضاؒ کے ایک ہزار سے زائد تصانیف و رسائل بھرے پڑے ہیں جبکہ فتاویٰ عالمگیریہ کے بعد فقہ حنفی کا عظیم الشان شاہکار فتاویٰ رضویہ امام کی عالمانہ بصیرت اور محققانہ جلالت کا منہ بولتا ثبوت ہے آپ کے اس فتاویٰ کو اسلامی قانون کے ایک مستند ترین ماخذ کی حیثیت حاصل ہے۔

مفکر اسلام علامہ محمد اقبال علوم فقہ میں امام احمد رضا کی مہارت، ذکاوت ذہانت اور پیچیدہ فقہی مسائل میں آپ کی تحقیق و تدقیق کو تسلیم کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

"ہندوستان کے دور آخر میں حضرت احمد رضاؒ جیسا طباع اور ذہن فقیہہ پیدا نہیں ہوا. میں نے یہ رائے ان کے فتاویٰ کے مطالعے سے قائم کی ہے جو ان کی ذہانت و فطانت، جودت طبع، کمال فقہیات اور علوم دینیہ میں تجر علمی کے شاہد عادل ہیں"۔ امام احمد رضا کی عظیم علمی کاوشوں اور تجدیدی کوششوں کو بہ نظر غائر دیکھا جائے تو آپؒ امام غزالیؒ، امام محی الدین ابن عربیؒ، امام ابوالحسن شعرانیؒ، امام ابومنصورؒ ماتریدی، علامہ ابوبکر محمد بن الطیبؒ باقلانی اور حضرت مجدد الف ثانیؒ جیسی عظیم علمی، روحانی اور مصلح شخصیات کی صف میں نظر آتے ہیں۔

لیکن امام کی زندگی کا مطالعہ کرنے والے محقق یا مورخ اس وقت حیرت واستعجاب کا مجسم بن جاتا ہے جب آپ کے پرسوز، دلربا، دلکش، کیف وسرور میں ڈوبے عشق ومستی سے سرشار فن سخن وری کا باب ان کے سامنے وا ہوتا ہے عربی وفارسی، ہندی اور اردو میں اعلیٰ حضرت امام احمد رضا نے شاعری کی تمام اصناف میں جس طرح طبع آزمائی کی وہ آپ ہی کا حصہ ہے آپؒ کا کلام حدائق بخشش" آج بھی ارباب علم وفن سے خراج تحسین وصول کر رہا ہے اور اگر غور سے دیکھا جائے تو یہ حقیقت آشکار ہو جائے گی کہ فقیہہ اور امام ہونے کے باوجود آپ کے سخن میں سوز و گداز، عشق ومستی، ملاحت وحلاوت اور کیف وسرور صرف اور صرف عشق رسولؐ کی وجہ سے ہے۔

مذکورہ بالا اوصاف عقیدت کی مہک نہیں بلکہ حقیقت کے غماز ہیں لیکن ان تمام حقیقتوں سے بڑھ امام احمد رضا کی شخصیت کا سب سے عظیم پہلو ہند میں تجدید احیائے دین مصطفیٰؐ ہے۔

انگریزی تسلط کے بعد مسلمانان ہند کو خصوصی طور پر سخت نامصائب حالات کا سامنا کرنا پڑا۔ جبکہ ہندوؤں کو فرنگی سامراج نے اپنا ہمنوا بنالیا۔ مسلمانوں کے ساتھ خصومت اور عداوت کی وجہ بڑی صاف اور واضح تھی اور وہ یہ کہ انگریز سے پہلے اقتدار وحکومت مسلمانوں کی تھی اور انگریز کو یہ یقین تھا کہ مسلمان اپنی عزت وعظمت کے حصول کے لئے ضرور جدوجہد کریں گے۔ لہٰذا اس جدوجہد کو ختم کرنے اور اپنے اقتدار کو مضبوط ومستحکم کرنے کے لئے انگریزوں نے

صہ ۱ ڈاکٹر محمد مسعود احمد۔ "امام اہل سنت"

انتہائی مکارانہ چالیں چلیں۔ جن میں سے چند کا تذکرہ مندرجہ ذیل ہے ۔

(۱) انگریز نے فارسی کے بجائے انگلش کو دفتری زبان قرار دیا۔

(۲) مدارس اسلامیہ کے مقابلے میں مشنری سکول قائم کئے۔

(۳) مسلمانان برصغیر کی اجتماعی وحدت کو پارہ پارہ کرنے کے لئے قادیانیت اور گستاخانِ رسول ﷺ کے گمراہ مذہبی فرقے تیار کئے۔

(۴) اسلامی نظام و نصاب تعلیم کی جگہ لارڈ میکالے کا سامراجی نظام و نصاب تعلیم رائج کیا۔

(۵) مسلمانوں پر ملازمتوں کے دروازے مکمل طور پر بند کر دیئے گئے

(۶) عیسائی مشنریاں قائم کی گئیں جو کہ غریب اور سادہ لوح مسلمانوں کو عیسائی مذہب قبول کرنے کی بھرپور دعوت دیتیں۔

(۷) معاشی اور اقتصادی طور پر مسلمانوں کو مفلوج اور بے بس کرنے کے لئے انگریز نے ہندوؤں کو اپنا منظور نظر بنا لیا اور انہیں ہر طرح کی معاشی اور اقتصادی سہولتیں مہیا کیں۔

منطقی طور پر ان غیر منصفانہ اور متعصبانہ اقدامات کا نتیجہ یہ نکلا کہ مسلمانان برصغیر نے علماء و مشائخ اہل سنت کی سرفروشانہ قیادت میں علم جہاد بلند کیا۔ دیکھتے ہی دیکھتے یہ تحریک پورے ملک میں پھیل گئی کشمیر سے لے کر راس کماری تک لاکھوں مسلمانوں نے مجاہدانہ انداز میں اس تحریک میں حصہ لیا اور حق و صداقت کی ترویج کے لئے اپنی جانیں تک قربان کر دیں۔ اگرچہ بعض مذہبی وجوہات کی بناء پر ہندوؤں نے بھی اس تحریک میں حصہ لیا لیکن ان کی تعداد مسلمانوں کی نسبت بہت کم تھی۔ گو تحریک جہاد آزادی اعلیٰ پیشہ وارانہ جنگی تربیت کے نہ ہونے اور عدم تنظیم اور مرکزی قیادت کے فقدان کی وجہ سے کامیاب نہ ہو سکی۔ لیکن جہاں یہ تحریک مسلمانان ہند کے ملی تشخص کے احیاء اور سیاسی شعور میں بیداری کا باعث بنی وہاں اجتماعی طور پر برصغیر کے مسلم معاشرے پر منفی اثرات بھی مرتب ہوئے ۔ مثلاً

(۱) مسلمان علماء و مشائخ کی ایک بڑی تعداد میدان جہاد میں شہید ہو گئی یا انہیں جزائر انڈیمان جیسے دور دراز جزیروں میں تادم مرگ پابند سلاسل کر دیا گیا۔ اس وجہ سے

مسلمانوں کے دینی مدارس اور خانقاہوں کا نظام درہم برہم ہوگیا۔

(۲) مسلمان خاص طور پر انگریز کے ظلم وستم اور انتقام کا نشانہ بننے لگے۔

(۳) اقتصادی اور معاشی ابتری نے مسلمانوں کو حکومت اور ہندوؤں کا دست نگر بنا دیا۔

(۴) عیسائی مشنریاں، منصب، عہدہ اور دولت کا لالچ دے کر مفلوک الحال پسماندہ اوران پڑھ مسلمانوں کو دین حق سے ورغلانے لگیں۔

(۵) قادیانیت اور گستاخان رسول کی شکل میں انگریز نے جو دو نئے گمراہ مذہبی فرقے تیار کئے ان کی سرگرمیاں تیز ہوگئیں اور راسخ العقیدہ مسلمانوں پر شرک وبدعت کے فتوے صادر کرنے لگے۔

(۶) جہالت اور کم علمی کی بنا پر شریعت اور طریقت کو الگ تصور کیا جانے لگا۔

(۷) کم علم اور بے عمل دین کے پیشوا بن بیٹھے۔ جس سے دین کے ظاہری اور باطنی پہلوؤں میں بگاڑ پیدا ہوگیا۔

(۸) دینی امور میں فرسودہ، فضول اور غیر شرعی رسومات کو فروغ دیا جانے لگا۔

(۹) انگریزی تہذیب وتمدن کی یلغار سے اسلامی تہذیب وثقافت رو بہ زوال ہونے لگی اوراسلامی اقدار غیر محفوظ ہو نے لگیں۔

(۱۰) اس نازک صورت حال میں ندوۃ العلماء کے مولانا شبلی نعمانی نے مسلمانان ہند پر انگریزی کی اطاعت مذہبًا فرض کرنے کا سرکاری فتویٰ صادر فرمایا۔ نواب صدیق حسن بھوپالی مولوی نذیر حسین دہلوی اور بعض دوسرے علماء نے انگریزی حکومت کی اطاعت اور حکم کے سامنے سر جھکایا۔ اب اس مایوسی اور بے امیدی کے دور میں ایک ایسی انقلاب آفرین شخصیت کی ضرورت تھی۔

(۱) جو مسلمانان ہند کو امام شعرانی اور امام ماتریدی کی طرح بدعقیدگی اور گمراہی کی دلدل سے بچا کر قرآن وحدیث کے صحیح عقائد سے آگاہ کر کے ان کو راسخ العقیدگی پر

رگامزن کردے۔

(۲) جو شیخ عبدالقادر جیلانیؒ طرح شریعت کے ظاہری اور باطنی پہلوؤں میں پیدا شدہ بگاڑ اور دوئی کو ختم کرکے حقیقی طور پر اسلامی روحانیت قائم کردے۔

(۳) جو حضرت مجدد الف ثانی کی طرح دین الٰہی جیسے نئے مذاہب باطلہ کا پوری طرح علمی اور تحریکی طور پر محاسبہ کرے۔ اور تمام بدعات اور فرسودہ رسومات کا خاتمہ کردے۔

(۴) جو مسلمانان برصغیر کی سیاسی، معاشی، معاشرتی زندگی اور دینی اقدار کے تحفظ کے لئے فکری اور نظریاتی راہنمائی کرے۔

(۵) جو مسلمانان ہند کو دیگر مذاہب باطلہ اور نصرانیت کے خلاف علمی اور عملی طور پر مستعد تیار کرے۔

۔ لہٰذا اس ماحول و کیفیت میں ہمیں صرف امام محمد احمد رضا ہی انقلاب آفرین شخصیت نظر آتی ہے جس نے ان تمام ذمہ داریوں کو پورے حسن و کمال سے ادا کیا۔

آپؒ نے قرآن و حدیث کی روشنی میں جن غیر اسلامی عقائد کا رد فرمایا ان کی تفصیل درج ذیل ہے۔

(۱) اللہ کذب اور دوسرے نقائص پر قادر ہے (العیاذ باللہ)

(۲) اللہ کے علم کو مشیت پر موقوف رکھنا "

(۳)

(۴) نبی کی حیثیت گاؤں کے چودھری یا زمیندار کی سی ہے (العیاذ باللہ)

(۵) انبیاء علیہ السلام کو بڑے بھائی کا درجہ دینا "

(۶) خاتم النبیینؐ کا مثل بتانا "

(۷) رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے علم غیب کا انکار "

(۸) بعد وصال رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات سے انکار ولعیاذ باللہ
(۹) روضہ سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت وحاضری کو شرک ٹھہرانا ″
(۱۰) نبی اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی تعظیم اور ادب کو شرک ٹھہرانا ″
(۱۱) مجلس ذکر رسول صلی اللہ علیہ والہ وسلم اور محفل میلاد کو بدعت ٹھہرانا ″
(۱۲) رسول پاک صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے وسیلہ جلیلہ کو شرک ٹھہرانا ″
(۱۳) رحمتہ اللعلمین کے علم ماکان و مایکون کو عام انسانوں، حتٰی کہ صبائی، مجنوں، اور بہائم و چوپایوں کے علم کے برابر قرار دینا۔
(۱۴) شیطان لعین کے علم کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے علم سے زیادہ ثابت کرنا۔
(۱۵) ختم نبوت کے باوجود کسی نئے نبی کی آمد کو فرض کرنا۔
(۱۶) اپنی جھوٹی نبوت کو ثابت کرنے کے لئے انبیاء کرام کو جھوٹا ثابت کرنا۔
(۱۷) انبیاء کرام کی توہین اور بے عزتی کو توحید کی عظمت بتانا۔
(۱۸) عیسٰی علیہ السلام کی حیات سے انکار کرنا اور ان کی موت کو ثابت کرنا۔
(۱۹) رسول پاک صاحب لولاک صلی اللہ علیہ والہ وسلم کا خیال نماز میں آجانے۔ تو اسے بیل اور گدھے کے خیال میں ڈوب جانے سے بدتر بتانا۔
(۲۰) سید المرسلین صلی اللہ علیہ والہ وسلم کا سید الانبیاء والمرسلین ہونے سے انکار کرنا۔

یہ تھا عقائد توحید و رسالت میں بگاڑ کا وہ طوفان جو انگریز کے تیار کردہ گمراہ مذہبی فرقوں نے برصغیر میں برپا کیا۔ ان غیر اسلامی عقائد کو توحید و سنت کی آڑ میں پیدا کرنے اور پھیلانے والوں میں سید احمد بریلوی۔ اسمٰعیل دہلوی۔ اشرف علی تھانوی، قاسم نانوتوی، رشید گنگوہی، خلیل احمد انبیٹھوی، مرزا غلام احمد قادیانی اور ان کے پیروکار سرفہرست ہیں۔

بدعقیدگی اور گمراہی کے اس طوفان کا مقابلہ تن تنہا مجدد امام احمد رضا کی چٹان جیسی مضبوط شخصیت نے پوری عالمانہ محققانہ اور مجاہدانہ شان سے کیا اور برصغیر پاک و ہند کے مسلمانوں کی اکثریت ہمیشہ ہمیشہ کے لئے بدمذہبی اور گمراہی سے محفوظ و مامون ہو گئی۔ امام احمد رضا نے مندرجہ بالا عقائد باطلہ کے رد میں ۱۴۳ انتہائی جامع اور مانع کتب رقم فرمائیں۔

(۱) معالج حیوانات کے بھیس بدل کر

(۲) وید حکیم کا بھیس بدل کر

(۳) گانے والے طائفے کا بھیس بدل کر

(۴) ساد ھوں کا بھیس بدل کر

مولانا سید قطب الدین برہمچاری اور ان کے شاگرد مولانا غلام قادر اشرفی نے بھیس بدل کر نہ صرف مرتدین کو مشرف باسلام کیا بلکہ بہت سے ہندوؤں کو حلقہ بگوش اسلام کیا مجموعی طور پر ساڑھے چار لاکھ مرتد مسلمان ہوئے اور ڈیڑھ لاکھ ہندوؤں نے اسلام قبول کیا بھیس بدل کر اشاعت اسلام کی جو کوشش کی اس سے پچاس ہزار ہندو مسلمان ہوئے۔

مسلمان ہونے کے بعد جو سند جاری کی جاتی تھی۔ اس کے چار حصے ہوتے تھے۔ ایک اسلام قبول کرنے والے کو دیا جاتا، دوسرا صدر دفتر بھیجا جاتا تیسرا ریکارڈ میں محفوظ رکھا جاتا۔ اور چوتھے پر ہر نومسلم کی چوٹی لگائی جاتی۔

بحوالہ تحریک آزادی ہند اور السواد الاعظم ص۱۲۷ تا ص۱۲۸۔

حضرت امام احمد رضا کے تلامذہ، خلفاء مریدین اور معتقدین نے حضرت مجدد الف ثانیؒ کے مریدوں، خلفاء اور تلامذہ کی طرح دین اسلام کی ترویج و اشاعت اور مسلمانان ہند کی ظاہری اور باطنی اصلاح کے لئے اپنی زندگیوں کو مکمل طور پر وقف کر دیا۔

ظاہری اور باطنی اصلاح کی تحریک

کم علم اور بے عمل لوگوں کی مذہبی پیشوائی سے شریعت کے ظاہری اور باطنی پہلوؤں میں سخت بگاڑ پیدا ہو گیا۔ لوگ شریعت کو طریقت سے الگ اور طریقت کو شریعت سے علیحدہ تصوّر کرنے لگے۔ امام احمد رضا رحمۃ اللہ علیہ کی بصیرت افروز نگاہیں اس دوئی اور بگاڑ کو دیکھ رہی تھیں چنانچہ آپ نے منصب تجدید احیائے دین کو مدِ نظر رکھتے ہوئے اس مقام پر مسلمانانِ برصغیر کی پوری راہنمائی کرتے ہوئے فرمایا :-

"شریعت اصل ہے اور طریقت اس کی فروع، شریعت منبع ہے اور طریقت اس سے نکلا ہوا دریا، طریقت کی جدائی شریعت سے محال و دشوار ہے، شریعت ہی پر طریقت کا دار و مدار ہے، شریعت ہی اصل کار اور محور و معیار ہے، شریعت ہی وہ راہ ہے جس سے وصول الی اللہ ہے، اس کے سوا آدمی جو راہ چلے گا اللہ کی راہ سے دور پڑے گا۔ طریقت اس راہ کا روشن ٹکڑا ہے۔ اس کا اس سے جدا ہونا محال و ناممکن ہے طریقت میں جو کچھ منکشف ہوتا ہے شریعت مطہرہ ہی کے اتباع کا صدقہ ہے جس حقیقت کو شریعت رد فرمائے گا وہ حقیقت نہیں بے دینی اور زندقہ ہے۔" (فاضل بریلوی اور امور بدعت) القادری (مقال العرفا)

امام احمد رضاؒ نے دو ٹوک الفاظ میں واضح فرما دیا کہ جو کوئی طریقت کو شریعت سے الگ سمجھے وہ کھلی گمراہی میں ہے۔

آپؒ نے فرمایا :-

"طریقت میں جو کچھ منکشف ہوتا ہے شریعت ہی کے اتباع کا صدقہ ہے ورنہ بے اتباع شرع بڑے بڑے کشف، راہبوں، جوگیوں، سناسیوں کو ہوتے ہیں۔ پھر وہ کہاں تک لے جاتے ہیں اسی نار جہنم و عذابِ الیم تک پہنچاتے ہیں۔" (مقال العرفاء باعزاز شرع و علماء)

آپؒ نے فرمایا :-

"شریعتِ مطہرہ ایک ربّانی نور کا فانوس ہے کہ دینی عالم میں اس کے سوا کوئی

روشنی نہیں اس کی روشنی بڑھنے کی کوئی حد نہیں زیادت چاہئے، افزائش پانے کا نام طریقت ہے۔
امام احمد رضا رحمۃ اللہ علیہ ظاہری و باطنی اصلاح کے متعلق ارشاد فرماتے ”اول فلاحِ ظاہری حاشا اس سے وہ مراد نہیں کہ بڑے ظاہر داروں کو مطلوب جن کی نظر صرف اعمال جوارح پر مقصود ظاہر احکام شرع سے آراستہ اور معاصی (گناہوں) سے منزہ کرلیا اور متقی و مصلح بن گئے۔ اگرچہ باطن ریا و عجب و حسد و کینہ و تکبر و حبِ مدح و حب جاہ و محبت دنیا مطلب شہرت و تعظیم امرار و تحقیر مساکین و اتباع شہوات و مداہنت (دین میں سستی) و کفران النعمتوں کی ناشکری) نعم و حرص و بخل و طول اصل (لمبی آرزو) و سوئے ظن و عناد حق و اصرار باطل و مکر و عذر و خیانت و غفلت و قسوت (دل کی سختی) و طمع و تملق (خدا کو بھول جانا) و اعتماد خلق و نسیان خالق (خدا کو بھول جانا) و نسیانِ موت و جرأت علی اللہ و نفاق و اتباع شیطان و بندگی نفس و رغبت بحطالت (باطل کی رغبت) و کراہت عمل و قلت خشیت (ڈر کی کمی) و جزع (بے صبری) و عدم خشوع (خشوع کا نہ ہونا) و غضب للنفس (نفس کے لئے ناراض ہونا) و تساہل فی اللہ وغیرہا مہلکات آفات (ہلاک کرنے والی آفتیں) سے گندہ ہو رہا ہو جیسے مزبلہ پر نہ ربفت کا خیمہ اوپر زینت اور اندر نجاست پھر کیا یہ نجاستیں ظاہری صلاح پر قائم رہنے دیں گی۔ ص ۴۸

(نقاء اسلافہ فی احکام البعیتہ والخلافتہ)

امام احمد رضا رحمۃ اللہ علیہ نے ان تمام باطنی بیماریوں کی نشاندہی فرمائی جو ایک مردِ مومن کی فلاح و نجات اور اعلیٰ اصلاح کردار کے لئے زہر قاتل کی حیثیت رکھتی تھیں۔ راہ فلاح کی طرف امام احمد رضا رحمۃ اللہ علیہ راہنمائی کرتے ہوئے فرماتے ہیں :۔

”دل و بدن پر جتنے احکام الٰہیہ ہیں سب بجالائے، نہ کسی کبیرہ کا ارتکاب کرے نہ کسی صغیرہ پر مُصر رہے۔ نفس کے خصائل ذمیمیہ اگر دفع نہ ہوں تو معطل رہیں۔ ان پر کاربند نہ ہو۔ مثلاً دل میں بخل ہے تو نفس پر جبر کرکے ہاتھ کشادہ رکھے حسد ہے تو محسود کی برائی نہ چاہئے۔ علیٰ ہٰذا القیاس کہ یہ جہاد اکبر ہے اور اس کے بعد مواخذہ نہیں بلکہ اجرِ عظیم ہے۔

(بیعت و خلافت ص ۴۹)

فلاح باطنی کی جانب امام رضا یوں راہنمائی اور تربیت فرماتے ہیں :۔

"دوم فلاحِ باطنی کہ قلب و قالب کو رذائل سے متخلی اور فضائل سے متجلی کرکے یقایائے شرک خفی دِل سے دُور کئے جائیں یہاں تک کہ لا مقصود الا اللہ (کوئی معبود نہیں سوائے اللہ کے) لا مشہور الا اللہ (کوئی منظر میں نہیں سوائے اللہ کے) پھر لا موجود الا اللہ (کوئی وجود نہیں سوائے کے) متجلی ہو۔ یعنی اولاً ارادہ غیر سے خالی ہو پھر غیر نظر سے معدوم ہو پھر حق حقیقت جلوہ فرما کہ وجود اسی کے لئے ہے باقی سب ظلال و پرتو، یہ منتہائے فلاح و فلاحِ احسان ہے۔"

(بیعت خلافت صہ ۵۰)

امام احمد رضاؒ نے اس باطل عقیدے کا بھی پوری ایمانی قوت سے محاسبہ کیا کہ "کتاب اللہ اور سُنّتِ رسول اللہ" پر عمل کے بغیر بھی وصول الی اللہ ممکن ہے۔

آپؒ نے اپنی "بیعت و خلافت" میں مرشد عام و خاص کے موضوع پر بحث کرتے ہوئے فرمایا کہ:۔

"اب مُرشد کی بھی دو اقسام ہیں۔ اول (مرشد) عام کہ کلام اللہ اور کلام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم و کلام آئمہ شریعت و طریقت و کلامِ علماء دین اہلِ رشد و ہدایت ہے۔ اسی سلسلہ پر کہ عوام کا ہادی کلامِ علماء، علماء کا رہنما کلام آئمہ، آئمہ کا مرشد کلام رسولؐ، رسولؐ کا پیشوا کلامِ اللہ جلّ و علا و صلی اللہ تعالےٰ وعلیہ وسلّم فلاح ظاہر ہو یا فلاح باطن اسے اس مرشد (کلام خدا و مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم) سے چارہ نہیں جو اس سے جدا ہے بلاشُبہ کافر ہے یا گمراہ اور اس کی عبادت برباد و تباہ۔"

(بیعت و خلافت صہ ۵۱)

امام احمد رضا رحمۃ اللہ علیہ کی ذاتِ گرامی پیکرِ اخلاص، تقویٰ و پرہیز گاری کا کامل نمونہ تھی آپؒ نے عملی، علمی اور تحریکی انداز میں برّصغیر کے اسلامی معاشرے سے اخلاق و روحانی گراوٹ و انحطاط کو ختم کرکے رکھ دیا۔ مبلغ اسلام علامہ شاہ عبدالعلیم صدیقی رحمۃ اللہ علیہ اِسی حقیقت کو دیکھ کر پکار اُٹھے۔ ؎

تمہاری شان میں جو کچھ کہوں اس سے سوا تم ہو
قسیم جام عرفان اے شاہِ احمد رضا تم ہو
عیاں ہے شانِ صدیقی تمہاری شان، تقویٰ سے

کہوں کیوں کر نہ اتقیٰ جب کہ خیر التقیا تم ہو

جلال و ہیبتِ فاروق اعظمؓ آپ سے ظاہر

عدو اللہ پہ اِک حربہ تیغ خدا تم ہو

تمہیں نے جمع فرمائے نکات و رمز قرآنی

یہ ورثہ پانے والے حضرت عثمانؓ کا تم ہو

خلوصِ مرتضیٰ خلقِ حسن عزمِ حسینی ہیں

عدیم المثل یکتائے زمن اے باخدا تم ہو

تمہیں پھیلا رہے ہو علم حق اکنافِ عالم میں

امام اہلِ سُنّت نائب غوث الوریٰ تم ہو

علیم خستہ اِک ادنیٰ گدا ہے آستانے کا

کرم فرمانے والے حال کے اس پر شہا تم ہو

بدعات اور فرسودہ رسومات کا خاتمہ

دورِ غلامی میں کم علمی اور جہالت کی بنا پر برصغیر کے اسلامی معاشرہ میں جو فرسودہ رسومات اور بدعات فروغ پا رہی تھیں امام احمد رضاؒ نے حضرت مجدد الف ثانی کی طرح ان کے خاتمہ اور معاشرے کی اصلاح پر پوری توجہ دی۔ دورِ انگریزی میں اندھی عقیدت اور جہالت کی بناء پر اولیاء کرام کی قبور کا طواف کرنا یا ان کے سامنے تعظیماً جھکنا یا سجدہ کرنا، عرس کے مقدس موقع پر غیر شرعی افعال و محافل منعقد کرنا بُری طرح رواج پا چکا تھا۔ اعلیٰ حضرت امام احمد رضاؒ نے ان تمام غیر شرعی اور فضول روایات و رسومات کی بھرپور مخالفت کی اور مسلمانوں کو اس سے مکمل اجتناب کرنے کا درس دیا۔

سجدہ تعظیمی

سجدہ تعظیمی کے رد میں امام رضا رحمۃ اللہ علیہ نے "الزبدۃ الزکیہ تحریم سجود التحیۃ" کے نام سے ایک انتہائی مستند اور جامع کتاب رقم فرمائی۔ آپؒ فرماتے ہیں۔

"مسلمان اے مسلمان! اے شریعت مصطفوی کے تابع فرمان جان اور یقین جان کر سجدہ حضرت عزت جل جلالہ، کے سوا کسی کے لئے نہیں اس کے غیر کو سجدہ عبادت تو یقیناً اجماعاً شرک مہین و کفر مبین اور سجدہ تحیتہ حرام و گناہ کبیرہ بالیقین اس کے کفر ہونے میں اختلاف علماء دین ایک جماعت فقہا سے تکفیر منقول ....

حد رکوع تک جھکنا

سید المحققین امام احمد رضا فرماتے ہیں کہ:

"مزارات کو سجدہ یا اس کے سامنے زمین چومنا حرام اور حد رکوع تک جھکنا ممنوع منسک متوسط علامہ رحمۃ اللہ علیہ امام ابن الہمام مسلک متقسط شرح ملا علی قاری صہ ۳۹۳

ولا یمس عند الزیارۃ ولا یقبلہ ولا یلتصق ولا یطوف ولا ینحنی ولا یقبل الارض فانہ ای کل واحد غیر مستعسفہ۔

زیارت روضہ انور سید اطہر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وقت نہ دیوار کریم کو ہاتھ لگائے نہ چومے نہ اس سے چمٹے نہ طواف کرے نہ زمین چومے کہ یہ سب بدعت قبیحہ ہیں۔

آپؒ نے فرمایا :-

شرح لباب میں ہے "رہا مزار کو سجدہ تو وہ حرام قطعی ہے تو جاہل زائروں کے فعل سے دھوکہ نہ کھائے بلکہ علمائے باعمل کی پیروی کرے"۔

مزار کو سجدہ درکنار کسی قبر کے سامنے اللہ عزّوجل کو سجدہ جائز نہیں اگرچہ قبلہ کی طرف ہو۔

طحطاوی علی الدر جلد اوّل صـ ۱۸۳

"مقبرے میں نماز مکروہ ہے کہ اس میں غالباً کسی قبر کو منہ ہوگا اور قبر کی طرف نماز مکروہ ہے امام رضا علیہ الرحمۃ ایک اور فقہی حوالہ دیتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں قبرستان میں جب کوئی جگہ نماز کے لئے تیار کی گئی ہو اور وہاں قبر نہ ہو اور نہ نجاست مگر اس کا قبلہ قبر کی طرف ہو تب بھی نماز مکروہ ہے۔

حوالہ حلیہ امام ابن امیر الحاج قلمی اواخر مایکرہ فی الصلوٰۃ، ردالمختار جلد اوّل صـ ۲۹۴

(الزبدۃ الزکیہ تحریم سجود التحیہ)

(بحوالہ فاضل بریلوی اور امور بدعت)

طواف اور بوسہ قبر کے بارے میں امام المحققین احمد رضا علیہ الرحمۃ فتاوی رضویہ کی جلد چہارم باب الجنازہ میں فرماتے ہیں :

تعظیم کی نیّت سے مزار کا طواف ناجائز ہے کیونکہ با طواف خانہ، خانہ کعبہ کے لئے مخصوص ہے۔ مزار کو بوسہ دینے سے بچنا چاہئے اِسی میں تعظیم زیادہ ہے۔

(صـ ۸ فتاویٰ رضویہ جلد چہارم)

احکامِ شریعت میں امامؒ فرماتے ہیں :-

بلاشُبہ غیر کعبہ معظمہ کا طواف تعظیمی ناجائز ہے اور غیر خدا کو سجدہ ہماری شریعت میں حرام ہے اور بوسہ قبر کے بارے میں علماء کو اختلاف ہے اور احوط منع ہے خصوصاً مزارات طیبہ اولیاء کرام کہ ہمارے علماء نے تصریح فرمائی کہ کم از کم چار ہاتھ فاصلے سے کھڑا ہو یہی ادب ہے۔ پھر تقبیل (چُومنا) کیونکہ متصور ہے؟ یہ وہ ہے جس کا حکم عوام کو دیا جاتا ہے اور تحقیق کا مقام دوسرا ہے۔

لکل مقام مقال ولکل مقال رجال ولکل رجال مجال ولکل مجال منال، نسال اللہ حسن المال۔

(احکامِ شریعت حصہ سوم صہ ۲۵۴ مطبوعہ مکتبہ قفریہ)

فتاویٰ رضویہ میں آپؒ نے فرمایا کہ :۔

بعض علماء (بوسہ قبر کی) اجازت دیتے ہیں اور بعض روایات بھی نقل کرتے ہیں۔

کشف العطار میں ہے :۔

در کفایۃ الشعبر اثرے در تجویز بوسہ دادن قبر والدین را نقل کردہ گفتہ درین صورت لاباس است و شیخ اجل ہم در شرح بود و آن در بعض اشارت کردہ بے تعرض بجرح آن مگر جمہور علماء مکروہ جانتے ہیں تو اس سے احتراز ہی چاہیئے۔

حوالہ (فتویٰ رضویہ جلد چہارم باب جمل النور فی نہی النساء عن زیارۃ القبور صہ ۱۸۰، صہ ۱۸۱)

قبہ کا اونچا بنانا

آپؒ کے دورِ حیات میں اور آج کل بھی اکثر لوگوں کو قبروں کو اونچا اور خوبصورت بنانے کا شوق ہے اس مسئلہ کے بارے میں امام احمد رضا رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں :۔

(قبر اونچا بنانا) خلافِ سُنّت ہے، میرے والد ماجد، میری والدہ ماجدہ، میرے بھائی کی قبریں دیکھئے ایک بالشت سے اونچی نہ ہوں گی۔

حصہ سوم صہ ۱۰۲

قبر کی بلندی کے بارے میں فتاویٰ رضویہ میں آپؒ نے فرمایا :

"ایک بالشت یا کچھ زائد (فی الدر مختار یسنم قدر شبر فی محمود المختار را واکثر شب دا) زیادہ بلندی فاحش مکروہ ہے۔

حلیہ میں ہے تحمل الکراھۃ علی الزیادۃ الفاحشۃ وعدمہا علی القلیلۃ المبلغۃ لہ مقدار اوما فوقہ قلیلا واللہ تعالیٰ !

حوالہ (فتاویٰ رضویہ جلد چہارم رسالہ جمل النور فی نہی النساء عن زیارۃ القبور صہ ۱۸۱)

بزرگوں کے اعراس پر غیر شرعی افعال

بزرگوں کے اعراس پر غیر شرعی افعال کے بارے میں آپؒ نے فرمایا کہ ان افعال شنیعہ سے بزرگوں کو تکلیف ہوتی ہے اور یہی وجہ ہے کہ ان حضرات نے توجہ کم فرما دی ورنہ پہلے جس قدر فیوض

ہوتے تھے وہ اب کہاں۔

(ملفوظات اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ صہ ۵۹)

عورتوں کا مزارات پر جانا

امام احمد رضا رحمۃ اللہ علیہ نے اس بدعت اور گمراہی کی سخت مخالفت فرمائی آپؒ نے قرآن و حدیث اور فقہ کے سینکڑوں حوالوں سے اُمّتِ مسلمہ کی عورتوں کو متنبہ فرمایا کہ عورتوں کا مزارات قبرستان میں جانا سخت نا جائز ہے۔

آپؒ نے ارشاد فرمایا:

"غنیہ میں ہے یہ نہ پوچھو کہ عورتوں کا مزارات پر جانا جائز ہے یا نہیں بلکہ یہ پوچھو کہ اس عورت پر کس قدر لعنت ہوتی ہے اللہ کی طرف سے اور کس قدر صاحب قبر کی جانب سے جس وقت گھر سے ارادہ کرتی ہے لعنت شروع ہو جاتی ہے اور جب واپس آتی ہے ملائکہ لعنت کرتے رہتے ہیں۔ سوائے روضۂ انورؐ کے کسی مزار پہ جانے کی اجازت نہیں وہاں کی حاضری البتہ سُنّتِ جلیل عظیمہ قریب الواجبات ہے اور قرآن عظیم نے اسے مغفرت ذنوب کا تریاق بتایا ہے ولو انهم اذ ظلموا انفسهم جاءُوك فاستغفروا الله واستغفر لهم الرسول لوجدوا الله توابًا رحيماً ۝ اور جب وہ اپنی جانوں پر ظلم کریں تو تمہارے حضور حاضر ہوں پھر اللہ سے معافی چاہیں اور رسولؐ بھی ان کے لئے معافی مانگیں تو ضرور اللہ کو توبہ کرنے والا مہربان پائیں گے۔ خود حدیث میں ارشاد ہوا مَنْ زَارَ قَبْرِی وَجَبَتْ لَهُ شَفَاعَتِی جو میرے مزار کریم کی زیارت کو حاضر ہوا اس کے لئے میری شفاعت واجب ہو گئی۔ دوسری حدیث میں ہے مَن حج ولم يزرني فقد جفاني جس نے حج کیا اور میری زیارت کو نہ آیا بے شک اُس نے مجھ پر جفا کی۔ ایک تو یہ ادائے واجب، دوسرے قبول توبہ، تیسرے دولت شفاعت حاصل ہونا، چوتھے سرکار کے ساتھ معاذ اللہ جفا سے بچنا یہ عظیم اہم امور ایسے ہیں جنہوں نے سب سرکاری کنیزوں پر خاک بوسی آستان عرش نشان لازم کر دی۔ بخلاف دیگر قبور و مزارات کے کہ وہاں ایسی تاکیدیں مفقود اور احتمال مفسدہ موجود اگر عزیزوں کی قبروں پر بے صبری کرے گی اولیاء کے مزار ہیں تو بے تمیزی سے بے ادبی کرے یا جہالت سے تعظیم میں افراط جیسا کہ معلوم و مشاہدہ ہے

لہٰذا ان کے لئے طریقہ اسلم احتراز ہی ہے۔ ؎

بدر پا در منافع بے شمار است　　　اگر خواہی سلامت بر کنار است

حصہ دوم صہ ۱۲۵

حوالہ :۔ (ملفوظات اعلیٰ حضرت بریلوی مطبوعہ مدینہ پبلشنگ کراچی)

احکام شریعت میں امام احمد رضا علیہ الرحمہ فرماتے ہیں :۔

عورتوں کو مزارات اولیاء و مقابر عوام دونوں پر جانے کی ممانعت ہے اولیاء کرام کا مزارات سے تصرف کرنا بے شک حق ہے اور وہ بے ہودہ دلیل محض باطل اصحاب مزارات دائرہ تکلیف میں نہیں وہ اس وقت محض احکام تکوینیہ کے تابع ہیں۔ سینکڑوں ناحفاظیاں لوگ مسجدوں میں کرتے ہیں اللہ عزوجل جلالہٗ تو قادرِ مطلق ہے کیوں نہیں روکتا حاضرانِ مزار مہمان ہوتے ہیں مگر عورتیں ناخواندہ مہمان ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

احکام شریعت صہ ۱۷۵ مطبوعہ مکتبہ فقریہ لاہور

فتاویٰ رضویہ میں امام احمد رضا علیہ الرحمہ نے ارشاد فرمایا :

عورتوں کو زیارت قبور منع ہے۔ حدیث میں ہے کہ لعن اللہ زائرات القبور اللہ کی لعنت ان عورتوں پر جو قبروں کی زیارت کو جائیں، عورت مجاورین کے بیٹھے اور آنے جانے والوں سے اختلاط کرے یہ سخت بدعت ہے۔ عورت کو گوشہ نشینی کا حکم ہے نہ یوں مردوں کے ساتھ اختلاط کا جس میں بعض اوقات اسے مردوں کے ساتھ تنہائی بھی ہوگی اور یہ حرام ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

ایک اور سوال کے جواب میں آپؒ نے فرمایا :

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم فرماتے ہیں لعن اللہ زوارات القبور اور فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کنت نھیتکم عن زیارۃ القبور الا فزوروھا علماء کو اختلاف ہوا کہ آیا اس اجازت کے بعد انہی میں عورات بھی داخل ہوئیں یا نہیں صحیح یہ ہے کہ داخل ہیں کما فی بحرالرائق مگر جوان ہیں ممنوع ہیں جیسے مساجد سے اور اگر تجدید حزن مقصود ہو تو مطلقاً حرام، اقول قبور اقربا پر خصوصاً بحال قرب عہد ممات تجدید حزن لازم نساء ہے اور مزارات اولیاء کرام پر حاضری بر احدی الشناعتین کا اندیشہ یا ترک ادب یا ادب میں افراط ناجائز تو سبیل اطلاق منع ہے لہٰذا غنیہ میں کراہت پر جزم

فرمایا۔ البتہ حاضری وخاک بوسی آستان عرش نشان سرکار اعظم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اعظم المندوبات بلکہ قریب واجبات ہے اس سے نہ روکیں گے اور تعدیل ادب سکھائیں گے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

حوالہ :- (فتاویٰ رضویہ جلد چہارم در رسالہ یہ المنار بشموع المزار صہ ۱۶۵)

مجدد امام احمد رضاؒ نے عورتوں کے مزارات پر جانے کی مخالفت وممانعت میں ایک مستقل رسالہ رقم فرمایا جس کا نام جمل النور فی نہی النساء عن زیارۃ القبور رکھا، آپ کا یہ رسالہ فتاویٰ رضویہ کی چوتھی جلد میں موجود ہے۔

آپؒ فرماتے ہیں :

مزاراتِ اولیاء یا دیگر قبور کی زیارت کو عورتوں کا جانا با تباع غنیہ علامہ محقق ابراہیم ہرگز پسند نہیں کرتا۔ خصوصاً اس طوفان بے تمیزی رقص ومزاہیر وسرود میں جو آج کل جہال نے اعراس طیبہ میں برپا کر رکھا ہے اس کی شرکت میں عوام رجال کو بھی پسند نہیں رکھتا۔

حوالہ : (فتاویٰ رضویہ جلد چہارم رسالہ جمل النور فی نہی النساء عن زیارۃ القبور صہ ۱۶۶)

اسی رسالہ میں امام احمد رضا رحمۃ اللہ علیہ فقہ کی مشہور کتاب عینی کی جلد سوم کی ایک عبارت کا حوالہ دیتے ہوئے فرماتے ہیں :

حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالےٰ عنہ فرماتے ہیں عورت سراپا شرم کی چیز ہے سب سے زیادہ عزوجل سے قریب اپنے گھر کی تہہ میں ہوتی ہے اور جب باہر نکلے شیطان اس پر نگاہ ڈالتا ہے اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جمعہ کے دن کھڑے ہو کر کنکریاں مار کر عورتوں کو مسجد سے نکالتے اور امام ابراہیم نخعی تابعی استاذ الاستاذ امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنی مستورات کو جمعہ وجماعات میں نہ جانے دیتے۔ جب ان خیر کے زمانوں میں ان عظیم فیوض وبرکات کے وقتوں میں عورتیں منع کر دی گئیں اور کاہے سے ! حضور ! مساجد وشرکت جماعات سے حالانکہ دین متین میں ان دونوں کی شدید تاکید ہے۔ تو کیا ان ازمنہ شرور میں ان قلیل یا موہوم فیوض کے حیلے سے عورتوں کو اجازت دی جائے گی ؟ وہ بھی کاہے کی ! زیارت قبول کی جانے کی ! جو شرعاً موکد نہیں اور خصوصاً ان میلوں ٹھیلوں میں جو خدا نا ترسوں نے مزارات کرام پر نکال رکھے ہیں یہ کس قدر شریعت مطہرہ سے منافقت ہے۔ شرح مطہر

کا قاعدہ ہے کہ جلبِ مصلحت پر سلبِ مفسدہ کو مقدم رکھتی ہے .... صد ۱۷۰

اعلیٰ حضرت سیّد الفقہا امام احمد رضا علیہ الرحمہ نے مزید ارشاد فرمایا:

"شعبی سے جو کچھ نقل فرمایا وہ بھی ملاحظہ ہو (ترجمہ: یعنی امام قاضی سے استفسار ہوا کہ عورتوں کا مقابر کو جانا جائز ہے یا نہیں فرمایا ایسی جگہ جواز و عدم جواز نہیں پوچھتے یہ پوچھو کہ اس عورت پر کتنی لعنت پڑتی ہے جب گھر سے قبور کی طرف جانے کا ارادہ کرتی ہے۔ اللہ اور فرشتوں کی لعنت میں ہوتی ہے۔ شیطان اُسے گھیر لیتا ہے۔ جب قبر تک پہنچتی ہے میّت کی رُوح اُس پر لعنت کرتی ہے جب واپس آتی ہے اللہ کی لعنت میں ہوتی ہے۔ ملاحظہ ہوا استفقلیا! کیا خاص فاسقات کے بارے میں تھا؟ مطلق عورتوں کے قبروں پر جانے سے سوال تھا۔ اس کا یہ جواب ملا۔ اس جواب میں کہیں فاسقات کی تخصیص ہے غرض یہ تمام عبارات جن سے آپ نے استدلال فرمایا آپ کی نقیض مدعا میں نص ہے۔"

حوالہ: (فتاویٰ رضویہ جلد چہارم) رسالہ جمل النور فی نہی النساء عن زیارۃ القبور صد ۱۷۳

المختصر خاتمۃ الفقہا و محققین امام احمد رضا علیہ الرحمہ نے فتاویٰ رضویہ میں حدیث اور متعدد فقہی نصوص سے یہ ثابت فرما دیا کہ عورتوں کو مزارات و مقابر عوام پر زیارت کے لئے جانا ہرگز ہرگز ناجائز اور حرام ہے۔

مسئلہ سماع (قوالی)

برصغیر میں بزرگانِ دین نے جہاں اپنے مثالی کردار کے ذریعے اسلام کا نور پھیلایا وہاں انہوں نے اسلامی تعلیمات کی درس و تدریس اور تربیت کے لئے اس معاشرے کا موثر ترین ذریعہ بھی استعمال فرمایا۔ اس طرح برصغیر میں مشائخ چشت نے ہندوؤں کے مقابلے میں اسلام کی تبلیغ کے لئے سماع کا طریقہ اختیار فرمایا جو بعد میں قوالی کی شکل اختیار کر گیا یہاں تک کہ یہ سماع ساز و آواز کے ساتھ منعقد کیا جانے لگا چونکہ اسلام میں موسیقی حرام ہے اِس لئے امام احمد رضا رح نے اپنی دینی ذمہ داریوں کو پُورا فرماتے ہوئے اور اسلامی معاشرے کی اصلاح کرتے ہوئے ساز و آواز کے ساتھ ہونے والی قوالی کو حرام قرار دیا۔ احکام شریعت میں امام احمد رضا مزامیر کے ساتھ قوالی کے بارے میں ارشاد فرماتے ہیں:

خالی قوالی جائز ہے اور مزامیر حرام زیادہ غلواب منتسان سلسلہ عالیہ چشتیہ کو ہے اور حضرت
سلطان المشائخ محبوب الٰہی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فوائد الفواد شریف میں فرماتے ہیں مزامیر حرام است
حضرت مخدوم شرف الملتہ والدین یحییٰ میزی قدس سرہٗ نے مزامیر کو زنا کے ساتھ شمار کیا ہے
اکابر اولیاء نے ہمیشہ فرمایا ہے کہ مجرد شہرت پر نہ جاؤ جب تک میزان شرع پر مستقیم نہ دیکھ
لو۔ پیر بنانے کے لئے چار شرطیں لازم ہیں اس میں ایک یہ بھی ہے کہ مخالفت شرع مطہر آدمی
خود اختیار نہ کرے نا جائز فعل کو ناجائز ہی جانے اور ایسی جگہ کسی ذات میں بحث نہ کرے۔
واللہ تعالیٰ اعلم۔

ایک اور موقعہ پر امام علیہ الرحمہ سے کسی نے دریافت کیا۔
کیا یہ روایت صحیح ہے کہ حضرت محبوب الٰہی رضی اللہ عنہ قبر شریف میں ننگے سر کھڑے
ہوئے گانے والوں پر لعنت فرما رہے ہیں۔ تو آپ نے جواباً ارشاد فرمایا:
"یہ واقعہ حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ کا ہے کہ آپ کے مزار شریف
پر مجلس سماع میں قوالی ہو رہی تھی۔ آج کل تو لوگوں نے بہت اختراع کر لئے ہیں۔ ناچ وغیرہ بھی
کراتے ہیں حالانکہ اس وقت بارگاہوں میں مزامیر (آلات موسیقی) بھی نہ تھے حضرت سید ابراہیم
رحمۃ اللہ علیہ جو ہمارے پیران سلسلہ (قادریہ) میں سے ہیں باہر مجلس سماع کے تشریف فرما تھے
ایک صاحب صالحین کے پاس آئے اور گزارش کی کہ مجلس میں تشریف لے چلئے۔ حضرت سید ابراہیم
ایرجی نے فرمایا تم جانتے والے ہو۔ اچھہ اقدس میں حاضر ہوا گر حضرت راضی ہوں تو ابھی میں چلتا ہوں
انہوں نے مزار اقدس پر مراقبہ کیا دیکھا حضور قبر شریف میں پریشان خاطر ہیں اور ان قوالوں کی طرف
اشارہ کر کے فرمایا: "ایں بدبختاں وقت ما را پریشان کردہ اند"۔ وہ واپس آئے اور قبل اس کے کہ
(حضرت ابراہیم ایرجی سے) عرض کریں (انہوں نے) فرمایا آپ نے دیکھا!

ملفوظات امام احمد رضا علیہ الرحمۃ حصہ اوّل صہ ۱۰۹

ایک صاحب نے آپ کی خدمت میں عرض کیا:
بعالی خدمت امام اہل سنت مجدد دین ملت معروض کہ آج میں جس وقت آپ سے
رخصت ہوا اور واسطے نماز مغرب کے مسجد میں گیا بعد نماز مغرب کے ایک دوست میرے

نے کہا چلو ایک جگہ عرس ہے میں چلا گیا وہاں جا کر کیا دیکھتا ہوں بہت سے لوگ جمع ہیں اور قوالی اس طریقہ سے ہو رہی ہے کہ ایک ڈھول دو سارنگی بج رہی ہیں اور چند قوال پیران پیر دستگیرؒ کی شان میں اشعار کہہ رہے ہیں اور رسول اللہ صلعم کی نعت کے اشعار اور اولیاء اللہ کی شان میں اشعار سُنا رہے ہیں اور ڈھول سارنگیاں بج رہی ہیں۔ یہ باجے شریعت میں قطعی حرام ہیں کیا اس فعل سے رسول اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور اولیاء اللہ خوش ہوتے ہوں گے اور یہ حاضرین جلسہ گناہ گار ہوئے یا نہیں اور ایسی قوالی جائز ہے یا نہیں اور اگر جائز ہے تو کس طرح۔

امام احمد رضا شاہ نے یہ جواب ارشاد فرمایا :

"ایسی قوالی حرام ہے حاضرین سب گناہ گار ہیں اور ان سب کا گناہ ایسا عرس کرنے والوں اور قوالوں پہ ہے۔ اور قوالوں کا بھی گناہ اس عرس کرنے والے پر بغیر اس کے کہ عرس کرنے والے کے ماتھے قوالوں کا گناہ جانے سے قوالوں پر سے گناہ کی کچھ کمی آئے یا اس کے اور قوالوں کے ذمے حاضرین کا وبال پڑتے سے حاضرین کے گناہ میں کچھ تخفیف ہو نہیں بلکہ حاضرین میں ہر ایک پر اپنا پورا گناہ اور قوالوں پر اپنا گناہ الگ اور سب حاضرین کے برابر جُدا اور ایسا عرس کرنے والے پر اپنا گناہ الگ اور اور قوالوں کے برابر جُدا اور سب حاضرین کے برابر علیحدہ وجہ یہ ہے کہ حاضرین کو عرس کرنے والے نے بلایا ان کے لئے اس گناہ کا سامان پھیلا اور قوالوں نے انہیں سُنایا۔ اگر وہ سامان نہ کرتا۔ یہ ڈھول سارنگی نہ سُناتے تو حاضرین اس گناہ میں کیوں پڑتے۔ اس لئے ان سب کا گناہ ان دونوں پر ہوا۔ پھر قوالوں کے اس گناہ کا باعث وہ عُرس کرنے والا ہوا۔ وہ نہ کرتا نہ بلاتا تو یہ کیونکر آتے بجاتے لہٰذا قوالوں کا بھی گناہ اس بُلانے والے پر ہُوا۔

حوالہ : (احکام شریعت صد ۸۱)

اِس کے بعد مجدّد اسلام امام احمد رضاؒ نے احادیث، نصوص فقہ اور اقوال اولیاء سے ثابت فرمایا کہ قوالی آلات موسیقی کے ساتھ کرانا یا کرنا حرام ہے اِسی مسئلہ پہ بحث کرتے ہوئے امامؒ بے عمل اور جھوٹے صوفیوں پر تنقید کرتے ہوئے فرماتے ہیں :

بعض جہال بدمست یا نیم مُلا شہوت پرست یا جھوٹے صوفی بادبدست کہ احادیث

صحاح، مرفوعہ محکمہ کے مقابل بعض ضعیف قصّے یا محتمل واقع یا متشابہ پیش کرتے ہیں انہیں اتنی عقل نہیں یا قصداً بے عقل بنتے ہیں کہ صحیح کے سامنے ضعیف متعین کے آگے محتمل، محکم کے حضور متشابہ واجب الترک ہے پھر کہاں قول کہاں حکایت فعل، پھر کجا محرم کجا صلیح ہر طرح وہی واجب العمل، اسی کو ترجیح مگر ہوس پرستی کا علاج کس کے پاس ہے کاش گناہ کرتے اور گناہ جانتے اقرار لاتے۔ پھر یہ ڈھٹائی اور بھی سخت ہے کہ ہوس بھی پالیں اور الزام بھی ٹالیں۔ اپنے لئے حرام کو حلال بنالیں، پھر اسی پر بس نہیں بلکہ معاذاللہ اس کی تہمت۔ محبوبانِ خدا اکابر سلسلہ عالیہ، چشت قدست اسرا معمار کے سر دھرتے ہیں نہ خدا سے خوف نہ بندوں سے شرم کرتے ہیں حالانکہ خود حضور محبوب الٰہی سیدی و مولائی نظام الحق والدین سلطان اولیاءؒ فوائد الفواد شریف میں فرماتے ہیں۔ مزامیر حرام است (مزامیر حرام ہے)۔

حوالہ: (احکام شریعت صد ۸۲-۸۳ مطبوعہ مکتبہ فقریہ)۔

کسی پیر یا بزرگ سے عورتوں کی بے پردہ بیعت وغیرہ کے بارے میں امام احمد رضا سے یہ سوال کیا گیا۔

(۱) پیر سے پردہ ہے یا نہیں۔

(۲) ایک بزرگ عورتوں سے بغیر حجاب کے حلقہ کراتے ہیں اور حلقہ کے بیچ میں بزرگ صاحب بیٹھتے ہیں۔ توجہ ایسی دیتے ہیں کہ عورتیں بے ہوش ہو جاتی ہیں، اُچھلتی کودتی ہیں، اور اُن کی آواز مکان سے باہر دُور سُنائی دیتی ہے ایسا بیعت ہونا کیسا ہے؟

(ج) امام احمد رضاؒ نے ارشاد فرمایا: پیر سے پردہ واجب ہے جب کہ محرم نہ ہو۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ یہ صورت محض خلاف شرح و خلافِ حیا ہے ایسے پیر سے بیعت نہ چاہئے۔

(احکامِ شریعت حصّہ اوّل صد ۱۰۹)

جمعرات اور چالیسویں

آپ کے دور میں بھی اور آج بھی لوگ اپنے کسی عزیز رشتہ دار کی وفات کے بعد ہر جمعرات اور چالیس دن بعد ایصالِ ثواب کے لئے ختم قرآن کا اہتمام ایک بھرپور دعوت کے ساتھ کرتے ہیں جہاں تک میت کو ایصالِ ثواب کرنے کا مسئلہ ہے تو یہ شریعت کے عین مطابق

کارِ ثواب ہے لیکن دعوت غیر شرعی ہے امام احمد رضاؒ نے ان غیر شرعی رسومات کی ادائیگی سے مُسلمانوں کو مکمل طور پر اجتناب کرنے کی ہدایت فرمائی۔

اِس سوال کے جواب میں کہ مُردہ کے نام کا کھانا جو امیر غریب کو کھلاتے ہیں کس کو کھانا چاہیئے اور کس کو نہیں۔ آپؒ نے فرمایا۔ مُردہ کا کھانا صرف فقراء کے لئے ہے۔ دعوتِ عام کے طور پر جو کرتے ہیں یہ منع ہے کہ غنی کھائے کمافی فتح القدیر و مجمع البرکات۔

(احکامِ شریعت حصہ دوم صہ ۸۹)

امام احمد رضاؒ سے یہ سوال کیا گیا کہ،

اکثر بلادِ ہند میں یہ رسم ہے کہ میّت کے روزِ وفات سے اس کے اعزہ اقارب واحباب کی عورات اس کے یہاں جمع ہوتی ہیں اس اہتمام کے ساتھ جو شادی میں کیا جاتا ہے۔ پھر کچھ (عورتیں) دوسرے دن اکثر (عورتیں) تیسرے دن واپسی آتیں ہیں بعض چالیسویں تک بیٹھتی ہیں۔ اس مُدّت اقامت میں عورات کے کھانے پینے، پان چھالیاں کا اہتمام اہلِ میت کرتے ہیں جس کے باعث ایک صرف کثیر کے زیر بار ہوتے ہیں اگر اس وقت ان کا ہاتھ خالی ہو تو قرض لیتے ہیں یوں نہ ملے تو سودی نکلواتے ہیں۔ اگر نہ کریں تو معلون و بدنام ہوتے ہیں۔ (یہ سب کچھ) شرعاً جائز ہے یا کیا؟

داعیٔ سُنّت ماحیٔ بدعت امام احمد رضاؒ نے اس کا جواب یُوں ارشاد فرمایا:

سُبحان اللہ! اے مُسلمان یہ پوچھتا ہے یا کیا؟ یوں پوچھو کہ یہ ناپاک رسم کتنے قبیح اور شدید گناہوں، سخت و شنیع خرابیوں پر مشتمل ہے اولاً یہ دعوت خود ناجائز و بدعت شنیعہ و قبیحہ ہے امام احمدؒ اپنی سند میں اور ابن ماجہ سنن میں بہ سند صحیح حضرت جریر بن عبداللہ بجلیؓ سے راوی۔

ہم گروہ صحابہ اہلِ میت کے یہاں جمع ہوئے اور ان کے کھانا تیار کرانے کو مُردے کی نیاحت سے شمار کرتے تھے۔

جس کی حرمت پر متعدد حدیثیں ناطق۔ امام محقق علی الاطلاق فتح القدیر شرح ہدایہ میں (عربی عبارت ابھی درج ہے) ترجمہ: "اہلِ میت کی طرف سے کھانے کی ضیافت تیار کرنا منع ہے کہ شرع سے ضیافت خوشی میں رکھی ہے نہ کہ غمی میں اور یہ بدعت شنیعہ ہے۔"

یکرہ الضیافۃ من اہل المیت لانہا شرعت فی السرور لا فی الشرور وہی بدعۃ

فتاویٰ خلاصہ، فتاوی سراجیہ، فتاویٰ ظہیریہ، فتاوی تاتارخانیہ اور ظہیریہ سے خزانۃ المفتین کتاب الکراہیۃ اور تاتارخانیہ میں فتاویٰ ہلدیہ سے بالفاظ متقاربہ ہے۔

(عربی میں عبارت درج ہے)

ترجمہ: "غمی میں یہ تیسرے دن کی دعوت جائز نہیں کہ دعوت تو خوشی میں ہوتی ہے۔"

فتاویٰ قاضی خان، کتاب الحظر والاباحہ میں ہے:

(عربی میں عبارت بھی درج ہے)

ترجمہ: "غمی میں ضیافت ممنوع ہے کہ یہ افسوس کے دن ہیں تو جو خوشی میں ہوتا ہے ان کے لائق نہیں۔"

تبیین الحقائق امام زیلعی میں ہے:

(عربی عبارت بھی درج ہے)

مصیبت کے لئے تین دن بیٹھنے میں کوئی مضائقہ نہیں جب کہ کسی امر ممنوع کا ارتکاب نہ کیا جائے جیسے مکلف فرش بچھانے اور میت والوں کی طرف سے کھانے۔"

امام بزازی وجیز میں فرماتے ہیں

(عربی عبارت بھی درج ہے)

"یعنی میت کے پہلے یا تیسرے دن یا ہفتہ کے بعد جو کھانے تیار کرائے جاتے ہیں سب مکروہ ممنوع ہیں۔"

علامہ شامی درالمختار میں فرماتے ہیں:

(عربی عبارت بھی درج ہے)

"یعنی معراج الدرایہ شرح ہدایہ نے اس مسئلہ میں بہت طویل کلام کیا اور فرمایا یہ سب ناموری اور دکھاوے کے کام ہیں ان سے احتراز کیا جائے۔"

جامع الرموز آخر الکراہیۃ میں ہے:

"یعنی تین دن کم تعزیت کے لئے مسجد میں بیٹھنا منع ہے اور ان دنوں میں ضیافت بھی ممنوع

اور اس کا کھانا بھی منع ہے۔ جیساکہ خیر الفتاویٰ میں تصریح کی۔

کشف الغطاء میں ہے:

پس آنچہ متعارف شدہ از پختن اہلِ مصیبت طعام را در سوم وقسمت نمودن آن میان اہلِ تعزیت و اقران غیر مباح و نامشروع است و تصریح کردہ بدان در خزانہ چہ شرعیتِ ضیافت نزد مسرورست نہ نزد شرور۔"

ثانیاً۔ غالباً ورثہ میں کوئی یتیم یا نابالغ بچہ ہوتا ہے یا بعض ورثاء موجود نہیں ہوتے نہ ان سے اس کا اذن لیا جاتا ہے جب تو یہ امر سخت حرام شدید پر متضمن ہوتا ہے۔

اللہ عزّ وجل نے فرمایا ہے:

اِنّ الذین یاکلون اموال الیتمی ظلما انما یاکلون فی بطونھم نارا وسیصلون سعیرا

مال غیر میں بے اذن (بے بغیر اجازت) تصرف کرنا خود ناجائز ہے۔

قال اللہ تعالیٰ لا تاکلوا اموالکم بینکم بالباطل، خصوصاً نابالغ کا مال ضائع کرنا جس کا اختیار نہ خود اُسے نہ اُس کے باپ، نہ اُس کے وصی کو لان الولایۃ للنظر لا للفرد علی الغصوص، اگر ان میں کوئی یتیم ہوا تو آفت سخت تر ہے۔ والعیاذ باللہ الخ۔

ثالثاً۔ یہ عورتیں کہ جمع ہوتی ہیں افعالِ منکرہ کرتی ہیں۔ مثلاً چلا کر رونا پیٹنا، بناوٹ سے منہ ڈھانکنا۔ الی غیرِ ذلک اور یہ سب نیاحت ہے اور نیاحت حرام ہے ایسے مجمع کے لئے میت کے عزیزوں کو بھی جائز نہیں کہ کھانا بھیجیں کہ گناہ کی امداد ہوگی۔

قال اللہ تعالیٰ ولا تعاونوا علی الاثم والعدوان، نہ کہ اہلِ میت کا اہتمام کرنا کہ سرے سے ناجائز ہے تو اس مجمع ناجائز کے لئے ناجائز تر ہوگا۔

رابعاً۔ اکثر لوگوں کو اس رسم شنیع کے باعث اپنی طاقت سے زیادہ تکلیف کرنی پڑتی ہے یہاں تک کہ میت والے بے چارے اپنے غم کو بھول کر اس آفت میں مبتلا ہوتے ہیں اس مبنہ کے کھانا، پان، چھالیہ کہاں سے لائیں، اور بارہا قرض لینے کی ضرورت پڑتی ہے۔ ایسا تکلف شرع کو کسی امرِ مباح کے لئے بھی زنہار پسند نہیں نہ کہ ایک رسم ممنوع کے لئے پھر اس کے

باعث جو دقتیں پڑتی ہیں خود ظاہر ہیں۔ اگر قرض سودی ملا تو حرام خالص ہو گیا اور معاذ اللہ لعنتِ الٰہی سے پورا حصہ ملا۔ اللہ عزّ وجل مسلمانوں کو توفیق بخشے کہ قطعاً ایسی رسوم شنیعہ جن سے ان کے دین و دنیا کا ضرر ہے ترک کر دیں اور طعن بے ہودہ کا لحاظ نہ کریں۔"

(احکامِ شریعت حصہ سوم ص ۱۹۱ تا ص ۱۹۳)

اگرچہ صرف ایک دن یعنی پہلے ہی روز عزیزوں ہمسایوں کو مسنون ہے کہ اہلِ میّت کے لئے اتنا کھانا پکوا کر بھیجیں جسے وہ دو وقت کھا سکیں اور باصرار انہیں کھلائیں مگر یہ کھانا صرف اہلِ میّت ہی کے قابل ہونا سُنّت ہے۔ اس میلے کے لئے بھیجنے کا حکم نہیں اور ان کے لئے بھی فقط روزِ اوّل کا حکم ہے آگے نہیں۔ کشف الغطاء میں ہے۔

مستحب است خویشاں و ہمسایہ ہائے میّت راکہ طعام کنند طعام رابرائے اہلِ دے کہ سیر کند ایشاں را یک شبانہ روز والحاح کنند تا بخورند و در خوردن غیر اہلِ میّت ایں طعام را مشہور آں ست کہ مکروہ است۔

(احکامِ شریعت حصہ سوم ص ۱۹۴)

غرض کہ امام محمد احمد رضا شاہ بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے تمام غیر شرعی رسومات اور فرسودہ روایات کے بارے میں قرآن و سُنّت کا فیصلہ دیتے ہوئے ان پر کاری ضرب لگائی تاکہ مسلمانانِ ہند اعتقادی اور عملی طور پر بد عقیدگی، بے عملی اور لغویات سے محفوظ و مامون رہیں۔

اس فرسودہ رسم کے بارے میں امام احمد رضاؒ نے فتاویٰ رضویہ جلد چہارم کے صفحات نمبر ۱۶۲، ۱۶۳، ۱۷۹، ۱۸۰، ۱۹۳، ۲۲۱ اور ۲۲۳ پر محققانہ قلم آرائی فرمائی ہے۔

مغربی تہذیب و تمدّن کیخلاف امام احمد رضا کا فکری جہاد

انگریزی تسلّط سے برِ صغیر کے اسلامی معاشرے کی تہذیب و ثقافت جس طرح مجروح ہوئی ہمارا معاشرہ آج بھی اس کا گواہ ہے۔ ہمارا نوجوان بُوٹ سے لے کر سُوٹ تک ڈِسکو کا کامل نمونہ نظر آتا ہے۔ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ نے اس خطرے کو محسوس کرتے ہوئے پہلے ہی ارشاد فرما دیا تھا۔ انگریزی وضع کے کپڑے پہننا حرام اشد حرام اور انہیں پہن کر نماز مکروہ تحریمی قریب الحرام، واجب الاعادہ کہ جائز کپڑے پہن کر نہ پھرے تو گناہ گار، عذاب مستحق، والعیاذ باللہ العزیز الغفار۔

(امام احمد رضا۔ العطایا النبویہ فی الفتاوی رضویہ، جلد سوم، مطبوعہ لائل پور ص ۴۴۲)

(بحوالہ گناہ بے گناہی از پروفیسر محمد مسعود احمد ص ۱۸)

اپنی ایک شہرہ آفاق کتاب المحجۃ الموتمنہ فی آیت الممتحنہ ص ۹۳ میں امام احمد رضا رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

انگریزی اور بے سود تضیع اوقات تعلیمین جس سے کچھ کام دین تو دین دنیا میں بھی نہیں پڑتا صرف اس لئے رکھی گئی ہے کہ لڑکے این و آں مہملات میں مشغول ہو کر دین سے غافل رہیں کہ ان میں حمیت دینی کا مادہ ہی پیدا نہ ہو وہ بیرنہ جانیں ہی نہیں کہ ہم کیا ہیں اور ہمارا دین کیا ہے۔

(حوالہ گناہ بے گناہی۔ پروفیسر محمد مسعود احمد ص ۱۸)

مطبوعہ مرکزی مجلس رضا لاہور

سیکرٹری جنرل آل پاکستان ایجوکیشن کانفرنس سیّد الطاف علی بریلوی کہتے ہیں کہ:

سیاسی نظریہ کے اعتبار سے حضرت احمد رضا رحمۃ اللہ علیہ بلاشبہ حریت پسند تھے۔ انگریز اور انگریزی حکومت سے دِلی نفرت تھی۔ "شمس العلماء" قسم کے خطاب وغیرہ کو حاصل کرنے کا ان کو یا ان کے صاحبزادگان حجۃ الاسلام مولانا حامد رضا خان، مفسرِ اعظم ہند علامہ مصطفےٰ رضا خان صاحب کو کبھی تصوّر بھی نہ ہوا۔ والیانِ ریاست اور احکام وقت سے بھی قطعاً راہ و رسم نہ تھی۔

(اخبار جنگ کراچی شمارہ ۲۵ جنوری ۱۹۷۹ء، ص ۶ کالم ۴/۵ بحوالہ گناہ بے گناہی ص ۲۰)

پروفیسر محمد مسعود احمد گناہ بے گناہی میں لکھتے ہیں:

"امام احمد رضاؒ نے عیسائیوں کی طرف سے مسلمانوں کے افکار و خیالات میں مداخلت اور قرآن و حدیث پر اعتراضات کو کبھی برداشت نہیں کیا بلکہ بروقت ان کا تعاقب کیا چنانچہ ایک عیسائی پادری نے اعتراض کیا کہ قرآن مجید میں تو یہ ہے کہ زچہ کے پیٹ کا حال کوئی نہیں جانتا کہ لڑکا ہے یا لڑکی حالانکہ ہم نے ایک آلہ ایجاد کیا ہے جس سے یہ سربستہ راز معلوم ہو جاتا ہے۔ پادری مذکورہ کا یہ اعتراض ۱۸۹۷ء میں قاضی عبدالوحید نے ایک استفتا کی صورت میں پٹنہ سے ارسال کیا اور جواب کے لئے تعجیل کی درخواست کی کہ پادری کی باتوں سے ایک مسلمان کے ایمان میں شک و شبہ پیدا ہوا ہے اور اندیشہ ہے کہ کہیں وہ مرتد نہ ہو جائے امام احمد رضاؒ نے اس استفتا کے جواب میں مندرجہ ذیل عنوان سے ایک رسالہ تصنیف فرمایا۔

الصمصام علی مشکک فی آیۃ علوم الارحام ۱۳۱۵ / ۱۸۹۷

اس رسالہ میں امام احمد رضا نے مسئلے کے ہر پہلو پر بڑی شافی بحث فرمائی ہے اور قاہرانہ دلائل پیش کئے ہیں اور آخر میں عیسائیوں کے بے سروپا عقائد پر سخت تنقید کرتے ہوئے لکھتے ہیں:-

سبحٰن اللہ ــــــ کہاں رب السمٰوٰت والارض ــــــ عالم الغیب والشہادہ ــــــ سبحانہ و تعالیٰ ــــــ اور کہاں کوئی بے تمیز ــــــ لوں گا، ہیولیٰ، ہیقہ، ناپاک، ناشائستہ، کھڑے ہو کر موتنے والا ہیں کہ ازکہ یہ بدی و باکہ پیوستی؟

ــــــ خدارا انصاف ــــــ وہ عقل کے دشمن، دین کے رہزن، جہنم کی کودن، ایک اور تین میں فرق نہ جانیں ــــــ ایک خدا کے تین مانیں ــــــ پھر ان تین کو ایک ہی جانیں ــــــ بے مثل، بے کفو کے لئے جورو بتائیں، بیٹا ٹھہرائیں ــــــ اس کی پاک بندی ــــــ ستھری کنواری، پاکیزہ بتول مریمؑ پر ایک بڑھئی کی جورو ہونے کی تہمت لگائیں ــــــ پھر خاوند کی حیات، خاوند کی موجودگی میں بی بی کے جو بچہ ہوا اُسے دوسرے کا گائیں ــــــ خدا اور خدا کا بیٹا ٹھہرا کر، ادھر کافروں کے ہاتھ سے سولی دلوائیں۔ ادھر آپ اس

کے خون کے پیاسے، بوٹیوں کے بھوکے، روٹی کو اس کا گوشت بنا کر، دکھ دکھ چبائیں ــــ
شراب ناپاک کو اس پاک معصوم، ادھر موت کے بعد کفارے کو اسے بھینٹ کا بکرا بنا کر جہنم
بھجوائیں، لعنتی کہیں ملعون بنائیں ــــ اے سبحان اللہ ــــ اچھا خدا جسے سولی دی
جائے ــــ عجب خدا جسے دوزخ جلائے ــــ طرفہ خدا، جس پر لعنت آئے
جو بکرا بنا کر بھینٹ دیا جائے ــــ اے سبحان اللہ! ــــ باپ کی خدائی اور
بیٹے کی سولی ــــ باپ خدا بیٹا کس کھیت کی مولی؟ ــــ باپ کے جہنم کو بیٹے
سے لاگ ــــ سرکشوں کی چھٹی، بے گناہ پر آگ ــــ اُمتی ناجی ــــ
رسول ملعون ــــ معبود پر لعنت ــــ بندے ماموں ــــ تف تف!
وہ بندے جو اپنے ہی خدا کا خون چوسیں ــــ اس کے گوشت پر دانت رکھیں ــــ
اُف اُف ــــ وہ گندے جو انبیاء و رسل پر وہ الزام لگائیں کہ بھنگی چمار بھی جن سے
گھن کھائیں ــــ سخت فحش، بے ہودہ کلام گڑھیں اور کلام الٰہی ٹھہرا کر پڑھیں
ــــ زہ زہ بندگی ــــ خہ خہ تعظیم! ــــ قہ قہ تعلیم ــــ بھر آگے
چل کر لکھتے ہیں۔

اللہ اللہ ــــ یہ قوم ــــ یہ قوم! ــــ سراسر لوم ــــ یہ
لوگ ــــ جنہیں عقل سے لاگ نہیں، جنہیں جنوں کا روگ ــــ یہ اس قابل ہوئے
کہ خدا پر اعتراض کریں اور مسلمان ان کی لغویات پر کان دھریں؟
اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ○ (الصمصام علی مشکک فی آیۃ علوم الارحام)

(حوالہ گناہ بے گناہی پروفیسر مسعود احمد ص ۲۸ - ۲۹ - ۳۰)

امام احمد رضا نے نصرانی تعلیمات اور تہذیب و تمدن کے خلاف صرف قلمی جہاد
ہی نہیں فرمایا بلکہ آپ نے اپنے شاگردوں اور مریدوں کی ایسی جماعت تیار کی جس نے
قریہ قریہ گاؤں گاؤں جا کر نہ صرف نصرانیت بلکہ شدھی اور سنگھاسٹن جیسی تحریکوں کا تعاقب
کر کے سینکڑوں مرتدوں کو پھر سے دامنِ اسلام سے وابستہ کر دیا۔
دورِ حاضر کے مشہور مورخ و محقق پروفیسر مسعود لکھتے ہیں کہ ۱۹۲۳ء میں تحریک شدھی

چلی جس میں سوامی شہر دھانند پنڈت کالی چرن، پنڈت رام چندرا، دھرم بھکشو سکھوی وغیرہ نے بھرپور حصّہ لیا۔ اس کے مقابلے کے لئے بریلی سے جماعت رضائے مصطفٰے میدانِ عمل میں آئی۔ اس کے بعد جماعت اشرفیہ حلقہ اشاعت الحق اور انجمن خدام صوفیہ صدرالفاضل (علامہ سیّد نعیم الدین مرادآبادی علیہ الرحمہ) اور تاج العلماء (مفتی محمد عمر نعیمی علیہ الرحمہ) کے شیخ طریقت حضرت شاہ علی حسین اشرفی نے باوجود کبر سنی تحریک شدھی کا پوری قوت سے مقابلہ کیا۔ براہِ راست تبلیغ کے علاوہ مندرجہ ذیل طریقے بھی اختیار کئے گئے۔

امام احمد رضاؒ کے سیاسی نظریات

حضرت امام احمد رضاؒ کا سیاسی تدبر و تفکر اور دو قومی نظریہ

بنیادی طور پر حضرت امام احمد رضا علیہ الرحمہ کی شخصیت سیاسی نہ تھی، لیکن جس وقت بھی مشرکین ہند کے کاسہ لیس کانگریسی علماء نے بعض سیاسی مفادات کی خاطر ناعاقبت اندیشی سے کام لیتے ہوئے مسلمانان برصغیر کو دین کی آڑ میں گمراہی و تباہی کی طرف لے جانے کی کوشش کی امام احمد رضاؒ نے قرآن و سنت کے عطا کردہ سیاسی تدبر و تفکر سے مسلمانان برصغیر کی راہنمائی فرمائی۔

حضرت امام احمد رضا رحمۃ اللہ علیہ کے سیاسی افکار کے مطالعہ سے یہ حقیقت آشکار

ہوتی ہے کہ آپ کسی بھی معاملے میں وقتی مصلحت اندیشی یا جزوی مفاد پرستی کے سراب کا شکار نہ ہوئے بلکہ ہر مسئلے اور ہر معاملے کو خواہ وہ مسلمانوں کی سیاسی و معاشرتی زندگی سے متعلق ہو یا اس کا واسطہ مسلمانوں کے معاشی حالات سے ہو۔

حضرت امام احمد رضا رحمۃ اللہ علیہ نے ہر مسئلہ اور ہر معاملے کو قرآن و سنت کی کسوٹی پر کھرا اور کھوٹا الگ کر دکھایا۔ اور اس حقیقت میں تو ہمیں شک و شبہ کی کوئی گنجائش نہیں ہونی چاہیئے کہ ہمارے اجتماعی اور انفرادی مسئلے ہوں یا ہماری سیاسی آزادی یا معاشی استحکام کا معاملہ ان تمام مشکلات و مسائل کے حل کی بنیاد کلام خدا جل جلالہ اور حدیث مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سوا کچھ نہیں۔

حضرت امام احمد رضاؒ نے سیاست ہند میں اسی حق کی پیروی کی اور اسی نور کی روشنی سے مسلمانانِ ہند کے سیاسی، معاشی اور تمدنی افکار کو تاباں و درخشاں کیا۔

پروفیسر محمد مسعود احمد لکھتے ہیں کہ :۔

حضرت امام رضا بریلویؒ کے سیاسی افکار کو سمجھنے کے لئے ان کی مندرجہ ذیل تصانیف کا مطالعہ بہت ضروری ہے۔

(۱) انفس الفکر فی قربان البقر (۱۲۹۸ھ/۱۸۸۰ء)

(۲) اعلام الاعلام بان ہندوستان دار السلام (۱۳۰۶ھ/۱۸۸۸ء)

(۳) تدبیر فلاح و نجات و اصلاح (۱۳۳۱ھ/۱۹۱۲ء)

(۴) دوام العیش فی الائمۃ من قریش (۱۳۳۹ھ/۱۹۲۰ء)

(۵) المحجۃ المؤتمنۃ فی آیۃ الممتحنۃ (۱۳۳۹ھ/۱۹۲۰ء)

(۶) الطاری الداری لھفوات عبد الباری (۱۳۳۹ھ/۱۹۲۱ء)

تقسیم بنگال

انڈین نیشنل کانگریس جو کہ ہندو کی ایک نمائندہ جماعت تھی اس کی بنیاد ایک انگریز مسٹر ایلین اکسٹون ہیوم نے دسمبر ۱۸۸۵ء میں رکھی، ۱۸۸۵ء سے لیکر ۱۹۰۵ء تک پاک و ہند کی اجتماعی

سیاسی صورت حال میں کوئی خاص تبدیلی نہ آئی۔ ۱۶ اکتوبر ۱۹۰۵ء کو حکومت نے انتظامی سہولت کے لیئے بنگال کی تقسیم کا اعلان کر دیا نئے صوبے کا نام مشرقی بنگال و آسام رکھا گیا اس تقسیم سے مسلمانان بنگال کی سیاسی اور اقتصادی حالت میں مثبت تبدیلی پیدا ہوئی جبکہ ہندو کے لیئے یہ تبدیلی کسی بھی صورت میں قابل قبول نہ تھی نتیجتاً ہندوؤں نے خصوصاً کلکتہ کے ہندو طلباء نے سر یندر ناتھ بنرجی کی قیادت میں اس تقسیم کے خلاف زبردست تحریک چلائی۔ بنگال میں ہندوؤں کی مسلم دشمنی کی انتہا یہاں تک پہنچی کے وہ ہر سال تقسیم بنگال کی تاریخ کو یوم سیاہ مناتے۔

مسلم لیگ کا قیام

۳۰ دسمبر ۱۹۰۶ء کو شملہ وفد نے کامیابی حاصل کرنے کے بعد مسلمانوں کے مسائل کے حل کے لیئے ہند میں ایک مسلم سیاسی جماعت کی ضرورت کو شدت سے محسوس کیا چنانچہ ۳۰ دسمبر ۱۹۰۶ء کو ڈھاکہ میں منعقد محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس کے اختتام پر نواب وقار الملک کی صدارت میں ایک خصوصی اجلاس منعقد ہوا جس میں ڈھاکہ کے نواب سلیم اللہ خان نے سیاسی تنظیم کے لیئے مسلم لیگ کے نام سے قرارداد پیش کی۔ حکیم اجمل خان (دہلی) اور مولانا ظفر علی خان (لاہور) کی حمایت سے یہ قرارداد منظور ہوئی اور برصغیر میں مسلمانوں کی واحد نمائندہ جماعت مسلم لیگ قائم ہوگئی۔

تنسیخ تقسیم بنگال

پھر سنہ ۱۹۰۶ء سے سنہ ۱۹۱۱ء تک برصغیر کی سیاسی فضا پر تقریباً جمود طاری رہا۔ سنہ ۱۹۱۱ء میں تقسیم بنگال کے خلاف ہندوؤں کی اجتماعی تحریک دہشت گردی اور ہنگامہ خیزی کے باوجود سرد پڑ رہی تھی کہ شاہ برطانیہ نے اچانک اور قطعی طور پر تقسیم بنگال کی تنسیخ کا اعلان کر دیا۔ ۱۹۱۳ء میں مسجد کانپور کا سانحہ پیش آیا۔ سنہ ۱۹۱۶ء میں میثاق لکھنؤ کا معاہدہ طے پایا۔ جس میں ہندوؤں کی سیاسی جماعت کانگریس نے پہلی اور آخری مرتبہ مسلمانوں کے لیئے جداگانہ انتخاب کے اصول کو تسلیم کیا۔ سنہ ۱۹۱۹ء میں برطانوی حکومت نے ہند میں نام نہاد آئینی اصلاحات کیں اور ۱۳ اپریل کو جلیانوالہ باغ امرتسر کا افسوسناک واقعہ ظہور پذیر ہوا۔

سلطنتِ عثمانیہ کی اجتماعی صورتِ حال

ستمبر ۱۹۱۱ء میں اٹلی نے استعماریت کا مظاہرہ کرتے ہوئے سلطنت عثمانیہ کے علاقے طرابلس پر حملہ کر دیا۔ اور مسلمانوں پر وہ ظلم ڈھائے کہ تاریخ میں ان کی مثال ملنی مشکل ہے۔ اس موقع پر جب عثمانی فوجوں نے اٹلی کی جارحیت کو رد کرنے کے لئے مصر سے گزرنا چاہا تو برطانوی حکومت نے منافقانہ چال چلتے ہوئے عثمانی فوجوں کو مصر سے نہ گزرنے دیا۔ نتیجتاً اٹلی کی جارحیت کامیاب ہوئی اور طرابلس پر اٹلی کا قبضہ ہو گیا۔ ۱۹۱۲ء میں بلقانی ریاستوں نے دیگر طاقتوں اور برطانیہ کے شہ پر ترکی کے خلاف اعلان جنگ کر دیا۔ بلقانی فوجیں یورپی قسطنطنیہ کے قریب پہنچ گئیں اور انہوں نے ترکی کے بہت سے علاقوں پر قبضہ کر لیا۔ اس جنگ پر برطانیہ نے شروع میں غیر جانبداری کا ڈھونگ رچایا لیکن حقیقت میں وہ بلقانی ریاستوں کے ساتھ تھا۔ اور بعد میں برطانیہ نے ترکی کو کمزور پا کر بلقانی فوجوں کی حمایت کا کھل کر اعلان کیا برطانیہ کے اس کردار پر مسلمانان ہند تڑپ اٹھے۔ انہوں نے اٹلی کے مال کا بائیکاٹ کیا اور سلطنت عثمانیہ کی حمایت میں جگہ جگہ جلسے اور جلوس نکالے۔

جنگ بلقان ۲۷ اکتوبر ۱۹۱۳ء تک ختم ہوئی ۲۸ جولائی ۱۹۱۴ء کو پہلی جنگ عظیم شروع ہوئی ۲ اگست ۱۹۱۴ء کو دولت عثمانیہ نے جرمنی کے ساتھ میثاق اتحاد پر دستخط کیے اور ۲۸ اکتوبر ۱۹۱۴ء کو دولت عثمانیہ جرمنی اور آسٹریا کی حلیف بن کر جنگ میں شامل ہو گئی ص۳۶

گیلی پولی کا معرکہ

۱۸ مارچ ۱۹۱۵ء کو اتحادی فوج نے جہازوں پر سے جارحانہ حملے کا آغاز کیا جسے پسپا کر دیا گیا۔ اس کے بعد اتحادی فوجوں نے بری حملہ کے لئے آرمی بیرونی اور سد البحر کے قریب فوجیں اتارنی شروع کیں ۲۵ اپریل، ان کے مقابلہ پر ۱۹ ڈویژن کے کمانڈر مصطفےٰ کمال پاشا نے اتحادی فوجوں کے ساتھ زبردست مقابلہ کیا۔ بالآخر ایک طویل لڑائی کے بعد اتحادی

فوجیں ۱۹ اور دسمبر ۱۹۱۵ء کو گیلی پولی سے مایوس ہوکر واپس چلی گئیں۔ صد ۲۵

اس محاذ کے بعد برطانوی فوجیں اردن اور شام کے علاقوں پر حملہ آور ہوئیں و ناعی کمزوری کے باعث عثمانی فوجیں اکثر مقامات پر ڈٹ کر مقابلہ نہ کر سکی جس کے نتیجے میں برطانوی فوجوں نے فلسطین اور شام پر قبضہ کر لیا۔ عثمانی فوجیں وسائل کی کمی کے باوجود دو سال تک جرأت دلیری سے برطانوی افواج اور برطانیہ کے حلیف عربوں کے خلاف نبرد آزما رہی۔ اب صورت حال نازک ہوتی جا رہی تھی اور جنگ بندی کی ضرورت تھی۔ ۳۰ر اکتوبر کو ترکی حکومت نے اپنی فوجوں کو جنگ بندی کے اس عہد نامے کی شرائط سے آگاہ کیا جس پہ اس نے بہ مقام موندروس دستخط کئے تھے۔

سپہ سالار مصطفےٰ کمال پاشا اور شرائط صلح

۴ر نومبر ۱۹۱۸ء کو مصطفےٰ کمال پاشا نے دوسرا تار وزیر اعظم عزت پاشا کے نام بھیجا، جو سپہ سالار اعظم کے چیف آف سٹاف کا منصب سنبھالے ہوئے تھے۔ تار میں انہوں نے عرض کیا۔

دغا باز دشمنوں کی تجاویز اور ان کے طرز عمل کو تسلیم کرنے کے جو احکام جاری کئے گئے ہیں میں طبعاً ان کی تعمیل سے قاصر ہوں صلح نامے کی شرائط میں جو رعایتیں فتح مند حریفوں کے لئے رکھی گئیں ہیں۔ ان سے زیادہ رعایتیں ہدایات کر کے آپ یہ حکم دے رہے ہیں کہ ہم حریفوں کے مطالبات من وعن قبول تسلیم کریں۔ چیف آف جنرل سٹاف کے احکام کی تعمیل کرنا میرا فرض منصبی ہے، لیکن میں ان باتوں کو گوارا نہیں کر سکتا۔ لہٰذا مجھے میرے موجودہ منصب سے سبکدوش کر دیا جائے۔ صد ۴۰

ایک اور مقام پر مصطفےٰ کمال پاشا نے کہا، یہ صلح نامہ جس کی تمام دفعات کو تسلیم کر کے دستخط ٹھونک دیئے گئے ہیں۔ دولت ثانیہ کے وجود اور مفادات کا تحفظ کرنے سے قاصر ہیں۔ صد ۴۰/۴۱

مصطفےٰ کمال اور وزیر اعظم

۳ر نومبر ۱۹۱۸ء کو مصطفےٰ کمال نے وزیر اعظم کو ان خطرات کی طرف متوجہ کیا، جو ترکی پر چاروں

طرف منڈلا رہے تھے۔ اس کے ساتھ ساتھ انہوں نے اپنی فوج کو ہدایت بھی کی کہ جنگ بندی کی شرائط پر عمل کریں، با ایں ہمہ وہ اس بات پر برابر زور دیتے رہے کہ اسکندریہ اور انطاکیہ کے علاقے جو موجودہ ترکیہ کے صوبہ خطائی میں شامل ہیں، خالص ترکی کے علاقے ہیں اور انہیں شام کے ملک میں شامل نہیں کیا جا سکتا۔ لہٰذا جب شامی سرحدوں کی حدود پر بحث کی جائے تو یہ حقیقت ملحوظ رکھی جائے کہ دونوں علاقے ہرگز شام سے متعلق نہیں بلکہ خالص ترکی ہیں انہیں کسی طرح شام کا حصہ تصور نہیں کیا جا سکتا۔ صلح نامہ مونڈروس کی دفعہ ۱۶ کے موجب وہ تمام ترکی فوجیں جو شام کی حدود نیز حجاز، شام اور یمن میں موجود تھیں۔ اتحادی فوجوں کے سامنے ہتھیار ڈالنے کی پابند تھیں۔ ص ۴۳

مایوسی اور پژمردگی

۳۰ اپریل کو ۱۹۱۹ء کو مصطفےٰ کمال نمبر ۹ آرمی کے انسپکٹر مقرر کر دیئے گئے۔ اس کے بعد سلطان وحید الدین اور ان کی حکومت کے ارکان نے مصطفےٰ کمال کو اناطولیہ بھیجنے کا حکم صادر کیا۔ روانگی سے پہلی رات کو سلطان کے داماد وزیراعظم فرید پاشا نے مصطفےٰ کمال پاشا کو اپنی رہائش پر عشائیہ دیا۔

کھانے کے بعد انہوں نے اناطولیہ کا نقشہ نکالا اور مصطفےٰ کمال پاشا کی انسپکٹری کے علاقے پر ان کے اختیارات پر بحث کرتے رہے اس بات چیت میں وزیراعظم نے ان شکوک و شبہات کا اظہار کر ہی دیا جو انہیں مصطفےٰ کمال پاشا کے مقاصد کے متعلق تھے۔

داماد فرید پاشا کی عشائیہ والی رات دعوت کے دن یعنی ۱۵ مئی ۱۹۱۹ء کو یونانیوں نے ازمیر پر قبضہ کر لیا جب مصطفےٰ کمال جانے سے پہلے وزیروں سے دواعی ملاقات کے لئے باب عالی میں گئے تو دیکھا کہ سب کے سب مایوس ہیں، جب انہوں نے مصطفےٰ کمال کو زینے کے اوپر دیکھا تو بہت فکرمندی سے پوچھا، ہمیں کیا کرنا چاہیئے؟ مصطفےٰ کمال نے آخری مرتبہ مختصر الفاظ میں انہیں یہ ہدایت کی کہ ہمت سے کام لیجئے"

اگلے دن یعنی جمعہ ۱۶ مئی کو مصطفےٰ کمال آخری جمعہ والے جلوس رسلامتی، میں شریک ہوئے سلطان

وحید الدین نے انہیں شرف باریابی بخشا۔ اس روز سلطان بہت افسردہ و دلگیر تھا، اس نے جنگی جہازوں کی طرف اشارہ کر کے جو آبنائے باسفورس میں لنگر انداز تھے۔ اور جن کی توپوں کے دہانے قصر شاہی کی طرف تھے یوں کہا۔

جو صورت حال ہے وہ تم بھی دیکھ رہے ہو، مجھے کچھ نہیں سوجھتا، کہ قوم کو تباہی سے بچانے کا کیا طریقہ ہے پھر سلطان نے اپنے ہاتھ بلند کئے اور کہا۔

"کاش کہ ہماری قوم ہوشمندی اختیار کرے کاش یہ اپنی حفاظت کر سکے اور ہمیں بھی اس اندوہناک حالت سے نکالے" ص۱۶۵

مصطفےٰ کمال کی رائے

دوشنبہ ۱۹ مئی ۱۹۱۹ء کو صامیوں کی بندرگاہ پر اترے یہ بندرگاہ اناطرلیہ کے علاقے میں تھی۔ وہاں اپنی عظیم الشان تقریر میں انہوں نے ان جذبات کو بہت تفصیل بیان کیا جو اس وقت انکے سینے میں موجزن تھے۔

"جنگ عظیم میں ترکیہ نے جن ملکوں کے ساتھ اتحاد کیا تھا وہ شکست کھا چکے تھے جنگ بندی کے عہد نامے کی شرطیں نہایت سخت تھیں۔ چنانچہ ترکی فوج پر ہر طرف سے دباؤ پڑ رہا تھا۔ جنگ عظیم کے صبر آزما طویل سال اس طرح گزرے تھے کہ قوم تھک کر چور ہو گئی تھی۔ اور افلاس میں مبتلا تھی جن راہنماؤں نے ملک کو جنگ کی آگ میں جھونکا تھا۔ وہ اپنی جان بچانے کے لئے دوسرے ملکوں میں چلے گئے تھے۔ وحید الدین جو تخت پر جلوہ افروز تھے۔ نہایت ذلالت سے ایسی تدبیریں سوچ رہے تھے جن سے وہ اپنی زندگی اور تخت و سلطنت محفوظ رکھ سکیں کابینہ جس پر سلطان کے بہنوئی داماد فرید پاشا کا تصرف تھا، سمجھ بوجھ کے ذرائع اور وقار سے عاری تھا۔ یہ بزدل کابینہ سلطان کے چشم ابرو کے اشارے پر چلتا تھا اور اس کے وزیر اپنی جانیں اور سلطان کی زندگی محفوظ رکھنے کے لئے ہر ذلت کو قبول کرنے کے لئے تیار تھے۔ فوج سے ہتھیار اور گولہ بارود لیا جا چکا تھا۔ اگر کچھ باقی رہا تھا تو وہ بھی چھینا جا رہا تھا۔

فتح مند اتحادی ملکوں نے طے کر لیا تھا۔ کہ جنگ کی شرائط کا پابند ہونا چنداں ضروری

نہیں۔ اتحادی فوجیں اور بڑے مختلف بہانوں کی آڑ میں استنبول پر چھائے ہوئے تھے۔ اروفہ مرعش اور عین تاب کے صوبوں پر برطانیہ کا آلمنہ پر فرانسیسیوں کا قبضہ تھا۔ انطاکیہ اور قونیہ میں اطالوی سپاہی اور مرزلیفون اور سامسون میں برطانوی فوجیں موجود تھیں۔ غیر ملکی افسر، عہدہ دار اور ان کے گماشتے ہر جگہ دندنا رہے تھے آخر میں یہ تماشا ہوا کہ ہمارے روانہ ہونے سے چار روز پہلے ۱۵ مئی ۱۹۱۹ء کو یونانی فوج ازمیر کے ساحل پر آ کر اتر گئی۔ کیونکہ اتحادی طاقتوں نے انہیں اس کی اجازت دے دی تھی۔

ان سب آفتوں پر طرہ یہ کہ ملک کی عیسائی آبادی ہر جگہ خفیہ طریقے یا علانیہ طور پر اپنی سرگرمیوں میں مصروف تھی، یہ لوگ چاہتے تھے کہ جتنی جلدی ممکن ہو سکے اپنے حوصلے نکال لیں اور ترکی سلطنت کو ملیامیٹ کر دیں۔ ص ۸

ملک کو بچانے کے لئے جو تدبیریں تجویز کی گئیں مصطفےٰ کمال نے ان پر خوب بحث و تمحیص کی اور پھر وہ جس فیصلے پر پہنچے انہیں ان الفاظ میں بیان کیا۔

مجھے ان تمام تجویزوں میں کوئی معقولیت نظر نہیں آئی جن دلائل پر ان لوگوں کو اعتماد تھا۔ وہ سب کے سب بے بنیاد تھے حقیقت یہ تھی کہ اس وقت ترکی سلطنت کی بنیادیں ہل چکی تھیں اور اب وہ تباہی سے ہمکنار تھی، اس کے تمام مقبوضات ٹکڑے ٹکڑے ہو کر بٹ چکے تھے۔ اور وطن عزیز کا تھوڑا سا ٹکڑا باقی تھا۔ جس میں ترکوں نے پناہ لی تھی لیکن حریف اس بچے کھچے ٹکڑے کو بھی آپس میں بانٹ لینا چاہتے تھے۔ ترکی سلطنت، آزاد حکومت سلطان، خلیفہ، انتظام سلطنت یہ سب کے سب مہمل الفاظ تھے جن کا مفہوم اور معنی کچھ نہ تھا۔

سوال یہ تھا کہ کن لوگوں کی حفاظت کی جائے؟ اور یہ حفاظت کس کی امداد سے کی جائے؟ ان حالات میں صحیح فیصلہ کیا تھا موجودہ حالات میں صحیح فیصلہ یہی ہو سکتا ہے کہ ایک نئی ترکی سلطنت قائم کی جائے جو مختار مطلق ہو، غیر مشروط طور پر آزاد ہو اور جس کی بنیاد قومی حکومت پر ہو۔ ص ۱۰

یہ تھا سلطنت عثمانیہ کے اندرونی اور بیرونی حالات کا ایک جائزہ ان تاریخی حقائق سے یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ برطانیہ، اٹلی، فرانس، یونان اور روس جیسی سامراجی قوتوں نے ۱۹۱۱ء اور پھر پہلی جنگ عظیم سے لے کر ۱۹۱۹ء تک سلطنت عثمانیہ کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا تھا۔ سلطنت

عثمانیہ کی اندرونی صورت حال میں جو کمزوریاں تھیں ان میں رسائل کی کمی عرب نیشنلزم کی تحریک، شریف مکہ اور دیگر عربوں کی سلطنت عثمانیہ سے غداری اور انگریزی سامراج سے وفاداری کمزور حکومت اور نااہل سلطان پر سب کچھ شامل تھا۔

ہند میں تحریک خلافت

برصغیر کے مسلمانوں کو چونکہ خلافت و سلطنت عثمانیہ سے قلبی لگاؤ اور اسلامی رشتہ تھا۔ اس لئے وہ یہ صورت حال برداشت کرنے کو تیار نہ تھے۔ لہذا خلافت کمیٹی قائم کی گئی اور اس کا پہلا اجلاس ۲۳ نومبر ۱۹۱۹ء کو دہلی میں منعقد ہوا جس میں مسٹر گاندھی کے علاوہ کانگریس کے کچھ اراکین نے بھی شرکت کی۔ خلافت کمیٹی نے جو اہم مقاصد تجویز کئے، وہ درج ذیل تھے۔

(۱) خلافت عثمانیہ قائم رکھی جائے۔

(۲) مسلمانوں کے مقدس مقامات مسلمانوں کی حفاظت میں رہیں۔

(۳) ترکوں کی سلطنت کی حدود وہی چاہیئے تھیں جو جنگ سے پہلے تھیں۔

اگر سلطنت کی بیان کردہ اندرونی اور بیرونی صورت حال کا بنظر غائر مطالعہ کیا جائے تو خلافت کمیٹی کے مقاصد کی تکمیل انتہائی مشکل نظر آتی ہے۔ اور یوں محسوس ہوتا ہے کہ خلافت کمیٹی کے سرکردہ راہنماؤں کو دولت عثمانیہ کے اندرونی حالات کا خاطر خواہ علم نہ تھا یا ان میں اتنی سیاسی بصیرت نہ تھی کہ وہ ان حالات کو بھانپ سکیں جو مصطفےٰ کمال کی قیادت مجبوراً خلافت عثمانیہ کے خاتمے اور ایک نئی جمہوری حکومت کا پیش خیمہ ثابت ہو رہے تھے۔ (آزاد، خود مختار)

بہر کیف برصغیر میں تحریک خلافت کا قیام اس علاقے کی مسلم برادری کا خلافت سے قلبی اور جذباتی لگاؤ کا اظہار تھا۔

تحریک ترک موالات

تحریک خلافت نے سیاست ہند میں اس وقت انتہائی نازک صورت حال قائم کی جب مسٹر گاندھی کے کہنے پر خلافت کے راہنماؤں نے انگریز سے بائیکاٹ کی تحریک چلائی ہندو بظاہر

اس تحریک میں غیر مشروط طور پر شامل ہو کر مسلمانوں پر احسان جتانے کی کوشش کر رہے تھے لیکن حقیقت اس کے برعکس تھی۔

ایک طرف تو مسٹر گاندھی ہندو مسلم اتحاد کی اس تحریک کا قائد بن کر انگریز سے اپنی سیاسی قوت منوانا چاہتا تھا تو دوسری طرف پنڈت مالویہ انگریز کو یہ باور کرانے میں کوئی موقع ضائع نہ کرتا کہ مسلمان خلافت کی حمایت میں اس کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے ہیں لہذا انہیں اس تخریب کاری کی سزا ضرور ملنی چاہیئے۔

تیسرا اور سب سے بڑا نقصان یہ ہوا کہ متحدہ قومیت کی فکر نے زور پکڑا اس نازک مرحلہ پر امام احمد رضاؒ کی قرآن و حدیث میں ڈوبی ہوئی سیاسی فکر نے مسلمانان ہند کی راہنمائی فرمائی آپ نے ہندو مسلم اتحاد کے خلاف فتوٰی صادر فرما کر دو قومی نظریہ کی ترویج اشاعت کا وہ کارنامہ سرانجام دیا جو امام مجدد الف ثانی نے دور اکبری میں دین الٰہی اور متحدہ قومیت کے خلاف سر انجام دیا تھا۔

ترک موالات اور علماء

ترک موالات اگرچہ سیاسی حد تک رہتی تو شاید اس کے نتائج کچھ اور ہوتے، لیکن اس تحریک کے محرکین نے ابوالفضل اور ملا فیضی جیسے علماء سے یہ فتاوٰے بھی صادر کرائے کہ مشرکین اور بت پرستوں سے اتحاد و اتفاق اور محبت و مودت جائز اور انگریز سے حرام ہے ان علماء میں جمعیت علماء ہند جس میں مدرسہ دیوبند سے وابستہ علماء شامل تھے۔ کے علاوہ ابوالکلام آزاد پیش پیش تھے۔

حقیقت میں ترک موالات کے محرکین اور حامی متحدہ قومیت اور اکھنڈ بھارت کے حامی تھے جبکہ ہندو مسلم اتحاد اور اس ترک موالات کے مخالفین دو قومی نظریہ اور مسلمانوں کے الگ ملی تشخص کی بقاء کے حامی تھے اور تاریخ عالم نے پھر وہ دن بھی دیکھا کہ یہی ترک موالات کے حامی، یعنی مسٹر گاندھی، ابوالکلام آزاد، مولانا محمد حسین احمد مدنی مولوی احمد سعید ناظم جمعیت علماء ہند اور مفتی محمد کفایت اللہ دیوبندی وغیرہ اکھنڈ بھارت کی حمایت اور قیام پاکستان کی مخالفت میں یک جان تھے جبکہ ہندو مسلم اتحاد قومیت اور ترک موالات کی مخالفت کرنے والے یعنی امام احمد رضاؒ کے تمام حامی اور معتقدین، خلفاء اور تلامذہ برصغیر میں آزاد اسلامی مملکت پاکستان کے قیام کے لئے

امام احمد رضاؒ سلطنت عثمانیہ کی مدد و اعانت کے قطعاً مخالف نہ تھے۔ آپؒ کو سلطانِ سلطنت عثمانیہ کو خلیفہ قرار دینے پر اعتراض تھا۔ اور یہ اعتراض شرعی طور پر بالکل درست تھا۔ کیونکہ حدیثِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور اجماعِ امت کی روح سے خلیفۃ المسلمین کا "قریشی" نسب ہونا لازمی ہے چنانچہ مسئلہ پر آپؒ نے "دوام العیش فی الائمۃ من قریش" کے عنوان سے ایک جامع رسالہ رقم کیا جو ۱۹۲۲ء میں شائع ہوا۔ اسی رسالہ میں آپؒ سلطنت عثمانیہ کی اعانت و امداد کے بارے میں فرماتے ہیں۔

سوال:۔ کیا سلطنت عثمانیہ کی اعانت مسلمانوں پر لازم ہے یا نہیں؟ فرضیتِ اعانت کے لئے بھی سلطان کا قریشی ہونا شرط ہے؟

جواب:۔ "سلطنت عثمانیہ ایدہا اللہ تعالیٰ نہ صرف عثمانیہ بلکہ ہر سلطنت اسلام نہ صرف سلطنت ہر جماعت اسلام نہ صرف جماعت ہر فرد اسلام کی خیر خواہی ہر مسلمان پر فرض ہے۔ اس میں قریشیت شرط ہونا کیا معنی دل سے خیر خواہی مطلق فرض عین ہے اور وقت حاجت دعا سے امداد و اعانت بھی مسلمان کو چاہیئے ________ کہ اس سے کوئی عاجز نہیں اور مال یا اعمال سے اعانت فرض کفایہ ہے۔ صـ۴۶۔ مطبوعہ مکتبہ رضویہ (لاہور)

لیکن امام احمد رضا خلافت کمیٹی کے اُس غیر اسلامی لائحہ عمل سے جائز اور اصولی اختلاف رکھتے تھے۔ جو خلافت کمیٹی نے تحفظ خلافتِ عثمانیہ کی آڑ میں ہندو مسلم اتحاد و اختلاط کی صورت میں اختیار کر رکھا تھا۔ اور گاندھی جیسے بُت پرست اور مُشرک کی راہنمائی اس پر مستزاد تھی اور وہ اس تحریک کو برصغیر میں متحدہ قومیت کے طاغوتی نظریہ کو اُجاگر کرنے کے لئے استعمال کر رہا تھا۔ اور اس کی یہ خواہش تھی کہ وہ ہندوؤں اور مسلمانوں کا مشترکہ لیڈر بن سکے۔

جبکہ امام احمد رضاؒ ہندو کی سیاسی چالوں سے بخوبی آگاہ تھے۔ لہٰذا انہوں نے تحریک ترک موالات کی صورت میں پنپنے والے متحدہ قومیت کے نظریہ کی بھرپور مخالفت کر کے مسلمانانِ ہند کے علیحدہ اور جداگانہ ملی تشخص کو برقرار رکھنے کی پوری جدوجہد فرمائی۔

خود قائدِاعظم محمد علی جناحؒ نے ۱۵ جنوری ۱۹۳۳ء کو ایک صحافی ایم ایس طوسی کو تحریک ترک موالات کے بارے میں ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے فرمایا تھا۔

ترک موالات اور اسلامی شعائر کی توہین اور بے حرمتی

ترک موالات میں مسلمان ہندو کے ساتھ جوش میں یہاں تک بہہ گئے کہ اپنے دینی شعائر کو بھی مشرکین ہند کے ہاتھوں تہس نہس کرا دیا۔

پروفیسر احمد سعید سیاست ملیہ کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ۔

"ہندوستان کی تمام تاریخ میں یہ دور پہلا اور آخری دور تھا جس میں ہندو مسلم اتحاد اپنے عروج پر تھا۔ مگر اس زمانہ نے بہت کم عمر پائی۔ مسلمانوں نے ہندوؤں کی دلجوئی حاصل کرنے کی ہر ممکن کوشش کی مسلمان رضاکاروں نے رام لیلا کا بہت یندولبست کیا مندروں میں دعائیں مانگی گئیں۔ وید کو الہامی کتاب تسلیم کیا گیا۔ رامائن کی پوجا میں شرکت کی گئی۔ مسلمانوں نے اپنے ماتھے پر تلک لگائے۔ گنگا پر پھول اور بتاشے چڑھائے گئے۔ بار بار اس بات کا اعلان کیا جاتا کہ گاندھی "مستحق بنوت" تھا۔ اور یہ کہا گیا کہ اگر نبوت ختم نہ ہوتی تو گاندھی نبی ہوتا۔"

گائے کی قربانی کو موقوف کرنے کی تجاویز پیش کی گئیں اور سب سے زیادہ غضب یہ کہ دہلی کی جامع مسجد میں منبر رسول ﷺ پر ایک متشدد ہندو (شردھانند) شدھی تحریک کا بانی جس کا مقصد مسلمانوں کو ہندو بنا کر پاک کرنا تھا) سے تقریر کروائی۔ ان تمام باتوں کے باوجود ہندو ذہن میں کوئی تبدیلی پیدا نہ ہوئی۔ مسلمان تو ہندو کو خوش کرنے کی خاطر گائے کے بجائے بکری کو ذبح کرنے کا فتویٰ دے رہا تھا۔ (کانگریسی اور دیوبندی علماء) اور ادھر ہندو لیڈر گاندھی کہہ رہا تھا کہ ہندو نقطہ نظر سے گایوں کی حفاظت بہت ضروری ہے صرف ترک موالات ہی ان کو سوراج حاصل کرنے میں مدد دے سکتا ہے

اور سوراج کے ذریعہ وہ گایوں کی حفاظت کر سکیں گے۔ گاندھی کے ایک چیلے ستیا دیو نے نومبر ۱۹۲۰ء کو میں تقریر کرتے ہوئے کہا۔

"جب ہمارے ہاتھ میں اختیار ہوگا۔ جس قدر قوانین ہم بنا سکیں گے بنائیں گے۔ گاؤکشی کا مسئلہ ہندوستان میں نہایت اہم مسئلہ ہے۔ ہماری متواتر درخواستوں کے باوجود حکومت نے اس سلسلہ میں کچھ نہیں کیا تنہا کاٹھیاواڑ میں بہت سی گائیں ذبح کی گئیں۔ جب ہمارے ہاتھ میں قانون سازی کی قوت آئے گی تو ہم فوراً یہ طے کریں گے کہ ہندوستان کے اندر گائے کی قربانی نہ ہو۔"

ص ۱۴۱ پروفیسر احمد سعید۔

تحریک آزادی کے مشہور مؤرخ پروفیسر محمد مسعود لکھتے ہیں کہ۔

"مسٹر گاندھی نے ان تحریکات کو بطور ذرائع استعمال کیا۔ یعنی تحریکِ خلافت، تحریکِ ترکِ موالات تحریکِ ترکِ حیوانات، تحریک گئو رکھشا، ستیا گرہ، برت وغیرہ اور یہ تحریکیں مسلمانوں کو ہندو مسلم اتحاد پر لے گئیں۔ رغبت سے، شوق سے مستقبل کی امیدوں اور اندیشوں سے سیاسی لگاؤ سے معاشی دباؤ سے معاشرتی چاؤ سے۔"

پھر مسٹر گاندھی کی کوششوں کے ثمرات اور فوائد کا جائزہ لیتے ہوئے ڈاکٹر محمد مسعود لکھتے ہیں۔
امرتسر کے ایک فاضل حکیم محمد موسیٰ زید لطفہ،
عینی شاہدوں کے حوالے سے بیان فرماتے ہیں۔

گروہ علماء نے مسٹر گاندھی کو جامع مسجد شیخ خیر الدین، امرتسر میں لاکر منبر رسولؐ پر بٹھایا اور خود اس کے قدموں میں بیٹھے اور یہ دعا کی گئی۔

"اے اللہ تو گاندھی کے ذریعے اسلام کی مدد فرما۔" ص ۱۲۹

بینگن گھاٹ میں نماز جمعہ کے وقت تخمیناً ۱۵۰۰ ہندو مسلمان جامع مسجد میں جمع ہوئے اور تقریر و دعا میں ہندوؤں نے بھی حصہ لیا۔

مسجد قطب خانساماں میں ۱۵ اگست ۱۹۲۰ء کو ہندو مسلم کا متحدہ جلسہ ہوا۔ جس میں ہندوؤں نے بھی زوردار تقریریں کیں۔

جامع مسجد جلگاؤں میں ہندو مسلمانوں کا مشترکہ اجلاس ہوا جس کی صدارت پانڈورنگ دبھا ناتھ نے فرمائی۔

آرہ کے متعلق ایک خبر کا حوالہ دیتے ہوئے پروفیسر محمد مسعود احمد لکھتے ہیں۔

" ایک پنڈت سائن بلیا آجکل آرہ میں آکر بہت زوروں کے ساتھ ہندو مسلمانوں کو ایک جگہ جمع کر کے لیکچر دیا کرتے ہیں۔ بعد ختم لیکچر وہ پنڈت خود اپنے ہاتھ سے مسلمانوں کو ٹیکہ دیتے ہیں۔ قبل ٹیکہ دینے کے مسلمانوں سے دریافت کرتے ہیں آپ لوگوں کے ہاں مخالفت تو نہیں۔ ایک پنڈت نے ہندؤں اور مسلمانوں سے مخاطب ہو کر کہا۔ آج ہم اپنی رامائن کا مسلمانوں کے قرآن کا اور انگریزوں کے بائبل کا یعنی تینوں کی پوجا کریں گے۔ ان کے انتظام و اہتمام کے لئے یہ تھا کہ ایک ڈولہ جس کو وہ سنگاسن کہتے ہیں اس کو بڑے تکلف کے ساتھ ہار پھولوں سے سجوا کر اس کے اندر ایک طرف رامائن ایک طرف بائبل اور بیچ میں قرآن مجید منگوا کر رکھا۔ اور بڑے اہتمام کے ساتھ بھجن گاتے ڈھول اور جھانجھ وغیرہ بجاتے اور اس میں مسلمان بھی شریک ہو کر شہر سے گھماتے اپنے مندر کے اندر لے جا کر رکھا۔ جب ان مسلمانوں سے کہا گیا (موالات کے مخالف مسلمانوں نے کہا) تو جواب دیا کہ اس میں حرج ہی کیا ہوا۔" ص ۱۳۱ ص ۱۳۲

امام احمد رضا جیسا مرد حق دین کی یہ توہین۔ شعائر اسلامی کی بے حرمتی اور مسلمانوں کی صریح گمراہی کو کس طرح برداشت کر سکتا تھا۔ چنانچہ آپ نے مسلمانوں کو اس گمراہی سے بچانے اور راہ حق پر گامزن کرنے کے لئے   کے نام سے ایک مستند اور رسالہ رقم فرمایا۔ یہ رسالہ ۱۹۲۰ء کو مولانا حسن رضا خان رح نے مطبع حسن بریلوی سے شائع کرایا۔

گائے کی قربانی کے بارے میں ہندو ذہنیت و کردار کا پردہ چاک کرتے ہوئے امام احمد رضا اس رسالہ میں فرماتے ہیں۔

" کیا ہم سے وہ دین پر نہ لڑے کیا قربانی گاؤ پر ان کے سخت ظالمانہ فساد بھڑکانے پڑے گئے؟ کیا کٹار پور، آرہ اور کہاں کہاں کے ناپاک دہولناک مظالم جو ابھی تازے ہیں دلوں سے محو ہو گئے۔ بے گناہ مسلمان نہایت بیدردی سے ذبح کئے گئے۔ مٹی کا تیل ڈال کر جلائے گئے۔ ناپاکوں نے پاک مسجدیں ڈھائیں۔ قرآن کریم کے پاک اوراق پھاڑے اور جلائے اور ایسی ہی وہ باتیں جن کا نام لینے سے کلیجہ منہ کو آئے۔"

اسی رسالہ میں امام احمد رضا فرماتے ہیں۔

" کیا یہ مقدس بے گناہوں کے خون۔ یہ پاک مساجد کی شہادتیں، یہ قرآن عظیم کی آیتیں، انہیں ناپاک رکھشاؤں، انہیں جھوٹی سفاک سبھاؤں کے نتائج نہیں، نہ سہی۔ ہاتھ کنگن کو آرسی کیا ہے۔ آپ جس شہر

جس قصبے، جس گاؤں میں چاہو آزما دیکھو۔ اپنی مذہبی قربانی کے لئے گائے، بچھاڑو، اس وقت یہی تمہارے بائیں پسلی سے نکلے۔ یہی تمہارے سگے بھائی، یہی تمہارے منہ بولے بزرگ۔ یہی تمہارے پیشوا تمہاری ہڈی پسلی توڑنے کو تیار ہوتے ہیں یا نہیں۔"

مسٹر گاندھی کے ناپاک عزائم کے بارے میں امام احمد رضا لکھتے ہیں۔

"وہ جو آج تمام ہندوؤں اور نہ صرف ہندوؤں، تم سب ہندو پرستوں کا امام ظاہر و بادشاہ باطن ہے یعنی گاندھی صاف نہ کہہ چکا کہ مسلمان اگر قربانی گاؤ نہ چھوڑیں گے تو ہم تلوار کے زور سے چھڑا دیں گے اب بھی کوئی شک رہا کہ تمام مشرکین ہندو، دین ہی ہم سے محارب ہیں۔"

فاضلِ بریلوی اور ترکِ موالات ۔ صہ ٦٥ صہ ٦٦

شعائر اسلام کی بے حرمتی اور کفار سے اتحاد کے متعلق ایک سوال کے جواب میں امام احمد رضا رح نے فرمایا۔

"مقصد بنایا جاتا ہے اماکن مقدسہ کی حفاظت۔ اس میں کون مسلمان خلاف کرسکتا ہے۔ اور کارروائی کی جاتی ہے۔ کفار سے اتحاد، مشرک لیڈروں کی غلامی، ائمہ کے قرآن وحدیث کی تقلید کرنیوالے حصے کو بت پرستی پہ نثار کرنا۔ مسلمانوں کا قشقہ لگوانا۔ کافروں کی جے بولنا، رام لچھمن پر پھول چڑھانا اور راماٹن کی پوجا میں شریک ہونا۔ مشرک کا جنازہ اپنے کندھوں پر اٹھا کر اس کی جے بول کر مرگھٹ کو لے جانا کافروں کو مسجد میں لے جاکر مسلمانوں کا واعظ بنانا شعائر اسلامی قربانی گاؤ کو کفار کی خوشامد میں بند کر دینا۔ ایک ایسے مذہب کی فکر میں ہونا جو اسلام اور کفر کی تمیز اٹھا دے اور بتوں کے معبد پہ آگ کو مقدس ٹھہرانا اور اسی طرح کے بہت سے اقوال، احوال، افعال جن کا پانی سر سے گذر گیا۔ جنہوں نے اسلام پہ یکسر پانی پھیر دیا۔ کون مسلمان ان میں موافقت کرسکتا ہے۔ ان حرکاتِ خبیثہ کے رد میں فتوے لکھے گئے اور لکھے جارہے ہیں اس سے زیادہ کیا اختیار ہے پاکی ہے اُسے جو مقلب القلوب و الابصار ہے۔"

احکام شریعت حصہ دوم صہ ٨٥

ترک موالات میں مسلمان لیڈروں کی ذہنی بے حسی کے بارے میں ایک جگہ آپ یوں فرماتے ہیں۔

"تم نے دیکھا! یہ حالت ہے ان لیڈر بننے والوں کے دین کی۔ کیسا کیسا شریعت کو بدے۔

پاؤں کے نیچے کچلتے اور خیر خواہ اسلام بن کر مسلمانوں کو لوٹتے ہیں۔ موالات مشرکین ایک، معاہدہ مشرکین دو، استعانت بمشرکین تین۔ مسجدمیں اعلائے مشرکین چار ان سب میں بلا مبالغہ یقیناً قطعاً لیڈروں نے خنزیر کو دُنبے کی کھال پہنا کر حلال کیا ہے۔ دینِ الٰہی کو دیدہ و دانستہ پامال کیا ہے۔ پھر لیڈر رہیں۔ ریفارمر ہیں۔ مسلمانوں کے بڑے رہبر ہیں جو ان کی ہاں میں ہاں نہ ملائے وہ مسلمان ہی نہیں۔ یعنی جب تک اسلام کو کند چھری سے ذبح نہ کرے ایمان ہی نہیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون"

اندکے تو پیش گفتم غم دل ترسیدم

کہ دل آزردہ شوی ورنہ سخن بسیار است

"میں جانتا ہوں میرا کلام بُرا لگے گا اور حسبِ معمول تحقیقِ حق و اظہارِ احکامِ رب الانام کا نام گالیاں رکھا جائے گا۔"

الحجۃ المؤتمنہ ص ۸۶ ص ۸۷

امام احمد رضا مشرکین سے محبت واتحاد کے علمبردار مسلمان لیڈروں کی دینی حمیت جھنجھوڑتے ہوئے فرماتے ہیں:۔ "جب ہندوؤں کی غلامی ٹھہری پھر کہاں کی عزت اور کہاں کی خودداری، وہ تمہیں ملیچھ جانیں۔ بھنگی جانیں۔ تمہارا پاک ہاتھ جس چیز کو لگ جائے گندی ہو جائے سودا بیچیں تو دور سے ہاتھ میں ڈال دیں۔ پیسے لیں تو دور سے پنکھا وغیرہ پیش کر کے اس پر رکھوالیں۔ حالانکہ بحکم قرآن خود ہی نجس ہیں۔ اور تم ان نجسوں کو مقدس و مطہر بیت اللہ لے جاؤ جو تمہارے ماتھے رکھنے کی جگہ ہے۔ وہاں ان کے ننگے قدم رکھواؤ، گندے پاؤں رکھواؤ۔ مگر تم کو اسلامی حس ہی نہ رہا۔ محبتِ مشرکین نے اندھا بہرا کر دیا۔ ان باتوں کا ان سے کیا کہنا جن پہ حبک الشئی یعمی ویصم کا رنگ بھر گیا سب جانے دو خدا کو منہ دکھانا ہے یا ہمیشہ مشرکین ہی کی چھاؤں میں رہنا ہے۔ جو انہیں بتاؤں کہ کوئی کافر۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ مثلاً اسلام لاتے یا اسلامی تبلیغ سننے یا اسلامی حکم لینے کے لئے مسجد میں آئے یا اس کی اجازت تھی کہ خود سر مشرکوں، نجس بُت پرستوں کو مسلمانوں کا واعظ بنا کر مسجد میں لے جاؤ اسے مسند مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم پر بٹھاؤ، مسلمانوں کو نیچا کھڑا کر کے اس کا وعظ سناؤ کیا اس کے جواز کی کوئی حدیث یا کوئی فقہی روایت تمہیں مل سکتی ہے۔ حاشا ثمہ حاشا! للہ انصاف! کیا یہ اللہ و رسول سے آگے بڑھنا شرع مطہر پر افترا گھڑنا، احکامِ الٰہی دانستہ بدلنا، سؤر کو بکری بنا کر نگلنا نہ ہوگا۔"

المؤتمنہ ص ۸۴ فاضل بریلوی اور امور بدعت ص ۲۹۵)

علامہ عبدالحکیم شرف قادری لکھتے ہیں۔

"پہلی جنگ عظیم کے بعد تقریباً ۱۹۱۹ء میں ترکوں پر انگریزوں کے مظالم کے خلاف ہندوستان میں تحریکِ خلافت کا آغاز ہوا۔ یہ تحریک طوفان کی طرح پورے ملک میں پھیل گئی اور بچہ بچہ انگریز حکمرانوں کے خلاف نفرت وعداوت کا شعلہ جوالہ بن گیا۔ اس ہمہ گیر نفرت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے مسٹر گاندھی نے ۱۹۲۰ء میں کانگریس کی طرف سے نان کوآپریشن یعنی ترک معاملات کا اعلان کر دیا۔ جسے ترک موالات کا نام دیا گیا۔

موالات کے معنی ہیں محبت و دوستی۔ ترکِ موالات کا معنی ہوا کہ محبت اور دوستی چھوڑ دی جائے۔ کس سے؟ اسلامی تعلیمات کے مطابق ایک مسلمان کے دل میں کسی کافر کی محبت نہیں سما سکتی خواہ وہ انگریز ہو یا ہندو۔ البتہ معاملہ یعنی لین دین، خرید و فروخت مرتد کے علاوہ کسی کافر سے بھی کیا جا سکتا ہے۔ قرآن وحدیث اور ائمہ فقہا کے ارشادات کی روشنی میں دیکھا جائے تو موالات اور معاملہ دو الگ الگ چیزیں دکھائی دیں گی۔ کسی تحریک کی رو جب چل نکلتی ہے تو عوام وخاص، جوش و خروش اور نعروں کی گونج میں جذبات کی اس حد تک پہنچ جاتے ہیں کہ عقل و دانائی کی باتیں سننے کے بھی روادار نہیں رہتے اور جو انہیں بھلائی اور خیر خواہی کا مشورہ دے اسے بھی شک وشبہ کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ یہی کچھ اس تحریک میں بھی ہوا۔

آپ مزید لکھتے ہیں کہ "کسی قوم کے زندہ رہنے کے لئے اس کے قومی تشخص کا باقی رہنا از بس ضروری ہوتا ہے۔ ہندوؤں کے لیڈر مسٹر گاندھی نے مسلمانوں کو ایسا چکر دیا کہ عوام تو عوام تعلیمیافتہ لوگ بھی اس کے گرویدہ ہو گئے۔ یہاں تک کہ اسلامی تشخص تک قربان کرنے کے لئے تیار ہو گئے امام احمد رضا بریلوی رحمتہ اللہ علیہ اس قومی خودکشی کی لرزہ خیز صورت بیان فرماتے ہوئے کہتے ہیں۔

"(آیت) کریمہ لاینھٰکم، نے کچھ نیک برتاؤ، مالی مواسات ہی کی تو رخصت دی ہے۔ یا یہ فرمایا کہ انہیں اپنا انصار بناؤ۔ ان کے گہرے یار غار ہو جاؤ۔ ان کے طاغوت (گاندھی) کو اپنے دین کا امام ٹھہراؤ ان کی جے پکارو ــــ ان کی حمد کے نعرے مارو ــــ انہیں مساجد مسلمین میں باادب و تعظیم پہنچا کر، مسند مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم پر لے جا کر، مسلمانوں سے اونچا اٹھا کر واعظ وہادی مسلمین بناؤ۔ ان کے مردار (جیفہ) اٹھاؤ ــــ کندھے پر مٹکتی رمیت) زبان پر جے یوں مرگھٹ میں پہنچاؤ۔

مساجد کو ان کی ماتم کدہ بناؤ ——— ان کے لئے دعائے مغفرت اور نماز جنازہ کے اعلان کراؤ ——— ان کی موت پر بازار بند کرو ——— سوگ مناؤ ——— ان سے اپنے ماتھے پر قشقے لگواؤ ——— ان کی خوشی کو شعائر اسلام (گائے کی قربانی) بند کراؤ ——— گائے کا گوشت کھانا گناہ ٹھہراؤ۔ کھانے والوں کو کمینہ بناؤ اسے مثل سور کے گناؤ ——— خدا کی قسم کی جگہ رام دوہائی گاؤ ——— واحد قہار کے اسماء میں الحاد رچاؤ ——— اسے معاذاللہ رام یعنی ہر چیز میں رما ہوا ——— ہر شے میں حلول کیا ہوا ٹھہراؤ ——— قرآن مجید کو رامائن کے ساتھ ایک ڈولے میں رکھ کر مندر میں لے جاؤ ——— دونوں کی پوجا کراؤ ——— ان کے سرغنہ (گاندھی) کو کہو کہ خدانے ان کو تمہارے پاس مذکر بنا کر بھیجا ہے یوں معنی نبوت جماؤ ——— اللہ عزوجل نے سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کو ہی تو فرمایا انما انت مذکر" (تم تو نہیں مگر مذکر) اور خدانے مذکر بنا کر بھیجا ہے" اس نے معنی رسالت کا پورا نقشہ کھینچ دیا۔ ہاں لفظ بچایا اُسے یوں دکھایا نبوت ختم نہ ہوتی تو گاندھی جی نبی ہوتے ——— اور امام و پیشوا بجائے مہدی و موعود تو صاف کہہ دیا ——— بلکہ اس حمد میں یہاں تک اونچے اڑے نے خاموشی از ثنائے تو حد ثنائے تست ——— صاف کہہ دیا آج اگر تم نے ہندو بھائیوں کو راضی کر لیا تو اپنے خدا کو راضی کر لیا۔ (مولانا شوکت علی نے دہلی کی جامع مسجد میں کہا تھا۔ زبانی جیسے پکار نے سے کچھ نہیں ہوتا۔ اگر تم ہندو بھائیوں کو راضی کر و گے تو خدا کو راضی کرو گے) صاف کہہ دیا ہم ایسا مذہب بنانے کی فکر میں ہیں جو ہندو مسلم کا امتیاز اٹھا دے گا۔ صاف کہہ دیا ایسا مذہب چاہتے ہیں جو سنگم و پریاگ کو مقدس علامت ٹھہرائے گا۔ صاف کہہ دیا ہم نے قرآن و حدیث کی تمام عمر بت پرستی پر نثار کر دی کیا (آیت) کریمہ "لایفتنکم" میں ان الغویات و کفریات کی اجازت دی تھی'

امام احمد رضا بریلوی بحیثیت اسلامی مفکر ماہنامہ ضیائے حرم ص ۴۸ تا ص ۵۰

تحریک ہجرت

۱۹۲۰ء ابوالکلام آزاد نے یہ راگ الاپا کہ چونکہ برطانوی حکومت مسلمانوں کے حقوق کا تحفظ کرنے میں ناکام رہی ہے۔ نیز یہاں برصغیر میں ہر وقت فتنہ فساد کے دروازے کھلے ہوئے ہیں اس

اسلئے برصغیر پاک و ہند" دارالحرب ہے۔" جس میں دیندار مسلمان کے لئے رہنا مناسب نہیں۔ لہذا مسلمانوں کو دارالسلام کی طرف ہجرت کرنی چاہیئے۔ کانگریسی علماؑ نے بطور خاص اس بات پر زور دیا کہ مسلمانوں کا مذہبی فریضہ ہے کہ وہ برصغیر کو چھوڑ دیں۔ اور ایسے ملک میں جا رہیں جہاں ان کا مذہب محفوظ ہو۔

پروفیسر احمد سعید لکھتے ہیں کہ

مولانا عبدالباری ندوی نے ہجرت کے متعلق جو اعلان کیا وہ اخبار خلافت یکم مئی ۱۹۲۰ء سے نقل کیا جاتا ہے۔

"ہجرت سے متعلق یہ عرض کرتا ہوں کہ وہ تمام مسلمان جو اپنے ضمیر (قلب ایمان) کو مطمئن نہیں کر سکتے وہ اب اسلام کے احکام کے متعلق عمل پیرا ہوں وہ اس ملک سے، ہجرت کر کے ایسے مقام پر چلے جائیں جہاں اسلام کی خدمت انجام دینا اور اسلامی قوانین کے مطابق عمل کرنا بہتر طریق پر ممکن ہو"۔ (ص ۱۳۲ - تحریک پاکستان)

اس کے بعد کیا ہوا ہزاروں سادہ لوح مسلمان مذہبی جوش و خروش میں افغانستان کو جا نکلے۔ پروفیسر عبداللہ ملک لکھتے ہیں کہ تحریک ہجرت میں مذہبی جوش میں ہزاروں سادہ لوح مسلمان برصغیر میں اپنا سب کچھ کوڑیوں کے مول بیچ کر افغانستان کی جانب روانہ ہوئے چنانچہ پنجاب سندھ اور سرحد کے صوبوں سے تقریباً اٹھارہ ہزار مسلمانوں نے اپنے وطن کو چھوڑ کر نزدیک ترین اسلامی ملک افغانستان کی طرف ہجرت کی، بھولے بھالے مذہب کے دلدادہ مسلمان اور تحریک ہجرت کی اعانت کرنے والے علماؑ بین الاقوامی حالات اور پابندیوں سے ناواقف تھے اس لئے مہاجرین کے ریلے افغانستان کی سرحد پر روک دیئے گئے مہاجرین کو سخت مصائب کا سامنا کرنا پڑا چند افراد کسی نہ کسی طرح بیرونی ممالک نکل گئے۔ لیکن اکثریت کو واپس لوٹنا پڑا اس افراتفری اور بیچارگی و پریشان حالی میں ہزاروں قیمتی جانیں تباہ ہوگئیں۔ (تحریک پاکستان ص ۱۹۳)

مولانا ابوالکلام آزاد اور دیگر کانگریسی اور ندوی علماؑ کے اس احمقانہ فیصلے کا نتیجہ یہ نکلا کہ پاک و ہند کے بہت سے مسلمان خاندان تباہ و برباد ہو گئے۔ ہندو بنیئے نے ان کی جائیدادیں کوڑی کے مول خریدیں۔ پھر جب یہ بیچارے لٹے پٹے مصائب و آلام کے مارے واپس لوٹے تو

ہندو بنیئے نے روایتی مکاری سے کام لیتے ہوئے ان کی جائیدادیں واپس کرنے سے صاف انکار کر دیا۔

ایک غیر سرکاری اندازے کے مطابق پانچ سے بیس لاکھ تک مسلمان ایک تحریک سے متاثر ہوئے۔ حقیقت یہ ہے کہ ابوالکلام آزاد جیسے کمی نیم ملاؤں نے دین و مذہب کی آڑ میں انتہائی غیر دانشمندانہ فیصلے کئے۔ جس کا خمیازہ بیچارے سادہ اور غریب مسلمانوں کو بلکہ ان کی نسلوں تک کو بھگتنا پڑا۔ اب حقیقت میں ہندوستان دارالحرب نہیں بلکہ دارالسلام تھا اور آزادی کی تحریک اس علاقہ میں رہ کر چلائی جاسکتی تھی۔ اسی بناء پر امام احمد رضا نے ۱۲۹۸ بمطابق ۱۸۸۰ میں ہی ہندوستان کے دارلسلام ہونے کا فتویٰ ارشاد فرما دیا تھا اور اس کا نام اعلام الاعلام بان ہندوستان دارالاسلام رکھا

امام احمد رضا علیہ الرحمہ اس رسالہ میں فرماتے ہیں۔

"ہمارے امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ بلکہ علمائے ثلثہ رحمہ اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے مذہب پر ہندوستان دارلسلام ہے ہرگز دارلحرب نہیں"۔ ص۲ اس کے بعد امام رضا علیہ الرحمہ دارلحرب ہونے جانے میں امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شرائط کا تذکرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں

"دارالحرب ہو جانے میں جو تین باتیں ہمارے امام اعظم امام الائمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نزدیک درکار ہیں۔ ان میں ایک یہ ہے کہ وہاں احکام شرک اعلانیہ جاری ہوا اور شریعت اسلامیہ کے احکام وشعائر مطلق جاری نہ ہونے پائیں اور صاحبین کے نزدیک اسی قدر کافی ہے۔ مگر یہ بات بحمد للہ یہاں قطعاً موجود نہیں۔ اہل اسلام (ہندمیں) جمعہ وعیدین واذان و اقامت ونماز باجماعت وغیرہ یا شعائر شریعت بغیر مزاحمت علی الاعلان ادا کرتے ہیں۔ فرائض نکاح برضا، طلاق، عدة، رجعت، مہر، خلع، نفقات، حضانت، نسب، ہبہ، وقف وصیت، شفعہ وغیرہ یا بہت معاملات مسلمین ہماری شریعت عزا بیضا کی بناء پر فیصل ہوتے ہیں۔ ص۲۔

اس کے بعد ہند کو دارلحرب قرار دینے والوں پر تنقید کرتے ہوئے ان کے اصل عزائم کو بے نقاب کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

"الحاصل ہندوستان کے دارلسلام ہونے میں شک نہیں عجب اس سے جو تحلیل ربوا

(سود) کے لئے جس کی حرمت نصوص قطعیہ قرآنیہ سے ثابت اور کیسی کیسی سخت وعیدیں اُن پر وارد اس ملک کو دارحرب بڑھائیں اور باوجود قدرت واستطاعت، ہجرت کا خیال بھی دل میں نہ لائیں گویا یہ بلاد اس دن کے لئے دارحرب ہوئے تھے۔ کہ مزے سے سود کے لطف اڑایئے اور باآرام تمام وطن مالوف میں بسر فرمایئے "۔ ص

علامہ عبدالحکیم شرف قادری لکھتے ہیں

"تحریک ترک موالات کے زمانے میں ایک تحریک یہ بھی اٹھی کہ مسلمانوں کو ہندوستان سے ہجرت کرنا چاہیے۔ علماء اہل سنت نے اس کی سختی سے مخالفت کی۔ جو لوگ ہندوؤں کی چال کو نہ سمجھ سکے ان پہ مصائب کے پہاڑ ٹوٹے "۔

امام احمد رضا بریلوی علیہ الرحمہ نے فرمایا۔

" رہا دارلسلام، اس سے ہجرت عامہ حرام ہے اور اس میں مساجد کی ویرانی و بیحرمتی، قبور مسلمین کی بربادی، عورتوں بچوں اور ضعیفوں کی تباہی ہو گی "۔

اور پھر یہی کچھ ہوا جس کی پیش گوئی امام احمد رضاؒ کی بصیرت افروز اور مدبرانہ فراست نے پہلے کردی تھی۔ ص۵۹ رضیائے حرم)

امام احمد رضا رحمتہ اللہ علیہ کی مومنانہ فراست

امام احمد رضا نے اپنے رسالہ الحجۃ الموتمنہ میں ان تحاریک کے منفی اثرات کا ہر پہلو سے جائزہ لیا۔ اس کی تفصیل بتاتے ہوئے۔ ڈاکٹر محمد مسعود احمد لکھتے ہیں

ڈاکٹر محمد مسعود احمد لکھتے ہیں۔

"فاضل بریلوی علیہ الرحمہ مسئلے کے تاریخی پہلو پر روشنی ڈالتے ہوئے بعض قائدین کی کوتاہ اندیشی اور خود غرضی کی ایک مثال بیان فرماتے ہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ بعض قائدین نے ہندوستان کو دارحرب قرار دے کر مسلمانوں کو افغانستان ہجرت کر جانے پر اکسایا تھا بہت سے لوگ اس

طرح برباد ہوئے مگر قائدین (محرکین تحریکِ ہجرت ابوالکلام آزاد وغیرہ) میں کوئی نہ سر کا اس بیوفائی کا ذکر کرتے ہوئے فاضل بریلوی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں۔

"ہجرت کا غل مچایا اور اپنے آپ ایک نہ سرکا۔ جو ابھارنے میں آگئے ان مصیبت زدوں پہ جو گزری، گزری۔ یہ سب (قائدین) اپنے جورو بچوں میں چین سے رہے بترا سگانہ پٹیکری اور ترک تعاون کیا۔ کسی لیڈر کے پاس زمینداری یا کسی قسم کی تجارت نہیں نہ ان کا کوئی انگریزی یا ریاست میں ملازم ہے پھر انہیں کیوں نہیں چھوڑتے کیا واحد قہار نے نہ فرمایا۔"

لم تقولون مالا تفعلون؟

فاضل بریلوی ترک موالات کے مذہبی، تاریخی اور سیاسی پہلوؤں پر روشنی ڈالنے کے بعد اس کے معاشی اور اقتصادی پہلو بھی اجاگر فرماتے ہیں۔ چنانچہ ترکِ موالات کے نتیجے میں ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان جو اقتصادی عدم توازن متوقع تھا اس کی طرف اشارہ فرماتے ہیں۔

"اگر سب مسلمان زمینداریاں، تجارتیں، نوکریاں، تمام تعلقات یکسر چھوڑ دیں تو کیا تمہارے جگری خیر خواہ جملہ ہندو بھی ایسا ہی کریں گے اور تمہاری طرح ترے ننگے بھوکے رہ جائیں گے۔ حاشا ہرگز نہیں، زنہار نہیں اور جو دعویٰ کرے اس سے بڑھ کر کاذب نہیں، مکار نہیں سچے ہو تو موازنہ دکھاؤ کہ اگر ایک مسلمان نے ترک کی ہو تو ادھر پچاس ہندوؤں نے نوکری تجارت، زمینداری چھوڑی ہو کہ یہاں مالی نسبت اتنی یا اس سے بھی کم ہے اگر نہیں دکھا سکتے تو کھل گیا کہ

خواب تھا جو کچھ کہ دیکھا جو سنا افسانہ تھا۔"

ڈاکٹر محمد مسعود لکھتے ہیں۔

اقتصادی اور معاشی جائزے کے بعد فاضل بریلوی علیہ الرحمۃ نفسیاتی تجزیہ بھی فرماتے ہیں اور اس سلسلہ میں وہ راز ہائے پنہانی دانشگاف فرماتے ہیں کہ آنکھیں کھلی کی کھلی رہ جاتی ہیں۔ آپ فرماتے ہیں۔

"آؤ اب تمہیں قرآن عظیم کی تصدیق دکھائیں۔ اور ان کی طرف سے اس میل اور میل کا راز بتائیں۔

دشمن اپنے آپ کے لئے تین باتیں چاہتا ہے۔

۱۔ اوّل :۔ اس کی موت کا جھگڑا ہی ختم ہو جائے۔

۲۔ دوم :۔ یہ نہ ہو تو اس کی (اپنی موت یعنی مسلمان کی) جلا وطنی کہ اپنے پاس نہ رہے۔

۳۔ سوم :۔ یہ بھی نہ ہو سکے تو اخیر درجہ اس کی بے پری کہ عاجز بن کر رہے مخالف نے یہ در رجے ان پر طے کر دیئے اور ان کی آنکھیں نہیں کھلتیں۔ خیر خواہ ہی سمجھے جاتے ہیں۔

آپ نے فرمایا۔

"اولاً" جہاد کے اشارے ہوئے اس کا کھلا نتیجہ ہندوستان کے مسلمانوں کا فنا ہونا تھا۔

ثانیاً جب یہ نہ بنی۔ ہجرت کا ابھار (فریب) کہ کسی طرح یہ دفع ہوں ملک ہماری کبڈیاں کھیلنے کو رہ جائے یہ اپنی جائیدادیں کوڑیوں کے مول پچیس بالیوں ہی چھوڑ جائیں۔ بہر حال ہمارے (ہندوؤں) کے ہاتھ آئیں۔ ان کی مساجد، مزارات اولیاء ہماری پامالی کو رہ جائیں۔"

ثالثاً جب یہ بھی نہ بنی تو ترک موالات کا جھوٹا حیلہ کر کے ترک معاملت پر ابھارا، کہ نوکریاں چھوڑ دو، کسی کونسل کمیٹی میں داخل نہ ہو۔ مال گزاری ٹیکس کچھ نہ دو خطابات واپس کر دو امر خیر تو صرف اس لئے ہے کہ ظاہر نام کا دنیاوی اعزاز بھی کسی مسلمان کے لئے نہ رہے اور پہلے نہیں اس لئے کہ ہر صیغے اور محکمہ میں صرف ہنود رہ جائیں"

"الحجۃ المؤتمنۃ" ص ۲۹۹۔

فاضل بریلوی اور ترک موالات ص ۶۸ تا ص ۷۱

آج تاریخ کا طالب علم جب ان تحاریک کے حقائق سے آگاہ ہوتا ہے تو کانگریسی اور نیشنلسٹ علماء اور سیاست دانوں کی کور مغزی، بے بصری اور حماقت پر خون کے آنسو روتا ہے۔ باخدا اگر امام احمد رضا فاضل بریلوی جیسی مدبر اور دور اندیش شخصیت مسلمانانِ ہند کی رہنمائی نہ کرتی تو برصغیر میں دو قومی نظریہ کی فتح ناممکن تھی۔ یہ آپ ہی کی فکری اور نظریاتی راہنمائی کا نتیجہ تھا کہ اقبال نے دو قومی نظریہ کو واضح طور پر مسلمانان برصغیر کے سامنے پیش کیا۔ تحریک ہجرت کے بارے میں قائد اعظم محمد علی جناح کے خیالات امام احمد رضا علیہ الرحمۃ کے نظریات سے بہت ہم آہنگ تھے۔

تحریکِ ہجرت کے بارے میں ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے قائدِ اعظم نے فرمایا۔

ڈاکٹر سید مطلوب حسین امام احمد رضا رحمۃ اللہ علیہ کی سیاسی بصیرت اور دینی حمیت کے بارے میں لکھتے ہیں۔

"حقیقت یہ ہے کہ احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ انگریزوں سے بیزار تھے۔ ان کی حکومت ان کی سیاست، ان کی عدالت، ان کی تہذیب و تمدن ان کی زبان غرض کہ ان کی ہر ادا اور ہر چیز سے بیزار تھے۔ ان کا پیکر ان کا گھر صبغت اللہ کا مظہر تھا۔ جبکہ ان کے مخالفین کے گھر انگریزی تہذیب و تمدن کا نمونہ بنے تھے۔"

تحریک خلافت کے بارے میں امام احمد رضاؒ کے صحیح اور اصولی موقف کے بارے میں ڈاکٹر سید مطلوب حسین لکھتے ہیں۔

"اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی اصل مخالفت کا سبب تحریک خلافت کے دوران ان کا رویہ تھا۔ اگرچہ اس دور کے مسلمان تحریک خلافت کے لئے مخلص تھے۔ مگر وہ سادہ لوح (مسلمان) ہندو کی سیاست کو نہیں سمجھ سکے بظاہر یہ تحریک مذہبی تھی مگر اس کے اسباب خالص سیاسی تھے۔ اس تحریک کے پردے میں ہندو دوگونہ فائدہ اٹھا رہے تھے۔ ایک طرف وہ خود کو

مسلمانوں کا ہمدرد اور بہی خواہ ظاہر کر رہے تھے۔ اور دوسری طرف ان ہی کی تائید و حمایت سے ہندوستان کی مطلق آزادی کی جدوجہد کر رہے تھے۔ امام احمد رضاؒ خان نہ تو اس سیاسی دو رنگی کے قائل اور نہ ہی سیاسی مصلحتوں کی خاطر مذہب کو قربان کرنے کے لئے تیار تھے۔ لیکن ان کے مخالفین نے تحریک خلافت سے ان کی مخالفت کو خوب ہوا دی۔ اور بات بہتان تراشی تک جا پہنچی تحریک خلافت کو اگر تاریخی تناظر میں دیکھا جائے۔ تو یہ بات کھل کر سامنے آجائے گی کہ اعلیٰ حضرت کا فیصلہ کتنا معقول مناسب اور حقیقت پسندانہ تھا۔ ترکی کی تاریخ میں فاتح قسطنطنیہ محمد ثانی، سلیم اول سلیمان پرشکوہ جیسے متعدد سلاطین گذرے لیکن انیسویں صدی عیسوی کے اواخر اور بیسویں صدی کے اوائل میں جب سلطنت ترکی زوال پذیر ہو کر یورپ کا مرد بیمار کہلانے لگی تو وہاں کے عوام نے حکومت کے خلاف "تحریک جوانانِ ترک" کا آغاز کیا اور ملک میں جمہوری نظام کے لئے جدوجہد شروع کی سلطان عبدالحمید ایک کمزور حکمران تھا۔ نہ تو وہ اس دور کے سیاسی حالات میں یورپی طاقتوں کا سامنا کر سکتا تھا اور نہ ہی وہ اپنے عوام کو مطمئن کر سکتا تھا۔ نتیجتاً اس نے اپنی حیثیت مضبوط کرنے کے لئے مذہب کی پناہ تلاش کی اور حرمین شریفین کے پاسبان ہونے کے ناطے خود کو خلیفۃ المسلمین قرار دیا۔ سادہ لوح ہندی مسلم اتنی بات نہ سمجھ سکے کہ جو شخص اپنے ملک میں غیر مقبول ہو اسے دور دراز سے کس طرح مدد بہم پہنچائی جا سکتی ہے۔ ترکی کے عوام اس خیال کو خوب سمجھتے تھے۔ انہوں نے اپنی تحریک کو تیز تر کیا اور مختصر عرصے میں اتاترک کمال نے ۱۹۲۲ء میں سلطان ترکی کو معزول کر کے ملک بدر کر دیا اور عالمی سیاست بیکار رہ گئی۔ اس کے بعد ہندوستان میں تحریک خلافت کا جو حشر ہوا اس کا سب کو علم ہے۔

یہ اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی تاریخی بصیرت تھی کہ اس نے انقلاب ترکی کا ادراک بہت پہلے کر لیا تھا۔ اس لئے اگر وہ اس تحریک سے الگ رہے تو اس میں کیا برائی تھی؟ جس طرح تحریک خلافت میں امام احمد رضاؒ کو اصولی اختلاف تھا۔ اور یہی اختلاف ان کی سخت مخالفت کا سبب بنا۔

یہ تحریک ۱۹۲۰ء میں مسٹر گاندھی نے شروع کی جس کا مقصد حکومت برطانیہ سے عدم اعتماد تھا۔ اس میں ہندو نواز مسلم اکابرین نے اپنے ماضی کے تجربات و مشاہدات سے قطع نظر کر کے

اہل ہنود کے آگے دوستی اور محبت کا ہاتھ بڑھایا حتیٰ کہ انہیں اپنا قائد اور راہنما تسلیم کر لیا۔
امام احمد رضا کو اس سیاسی طرز عمل سے سخت اختلاف تھا کیونکہ وہ اس کے لئے ہر گز تیار نہ تھے کہ انگریزی کی غلامی کا طوق اتار کر ہندوؤں کی غلامی قبول کر لیتے اور اقتدار ان کے ہاتھ میں سونپ کر ان کو مسلمانوں کی قسمت کا مالک بنا دیتے قوم پرست مسلمانوں کو ہندوؤں کے اخلاص کی نیت پر یقین تھا لیکن امام احمد رضاؒ ان کی نیتوں کو خوب سمجھتے تھے۔ اس لئے انہوں نے خود کو اس تحریک سے بھی الگ رکھا۔ لیکن اعلیٰ حضرتؒ کے مخالفین نے اس بات کو شہرت دی کہ انہوں نے انگریز سے پیسہ کھا کر ترک موالات کے خلاف فتویٰ تحریر کیا۔ جو انگریزوں کے ایماء سے لاکھوں کی تعداد میں چھپوا کر تقسیم کیا گیا۔
ڈاکٹر سید مطلوب اس بہتان تراشی کے بارے میں لکھتے ہیں۔
"یہ سراسر کذب و اختراع ہے۔ کیونکہ اتنی تعداد میں فتویٰ کی کاپیاں چھپنے اور تقسیم ہونے کے باوجود ان کے مخالفین ایک نقل بھی فراہم نہ کر سکے"۔
حقیقت یہ ہے کہ غیر تقسیم ہندوستان میں ہندو ہمیشہ اکثریت میں رہے۔ باوجود برسر اقتدار رہنے کے مسلمان ہمیشہ اقلیت میں رہے۔ اقلیت کو اکثریت سے ہمیشہ خطرات ہوتے ہیں۔ شہنشاہ اکبر کے دور میں اگرچہ اقتدار مسلمانوں کے پاس تھا لیکن ہندو اپنی سیاسی حکمت عملی سے اقتدار میں اس طور پر داخل ہو گئے کہ خود اسلام خطرے میں پڑ گیا۔ اس لئے اعلیٰ حضرت کے زمانے میں بھی مسلمانوں کو انگریز سے زیادہ ہندوؤں سے خطرہ تھا۔ یہی وجہ ہے کہ وہ ہندو سے کسی قسم کے روابط کے قائل نہ تھے"۔ (اعلیٰ حضرت احمد رضاؒ خاں کی سیاسی بصیرت تحریر ڈاکٹر سید مطلوب حسین روزنامہ جنگ ۷ نومبر راولپنڈی)
پروفیسر کرم حیدری امام احمد رضا رحمۃ اللہ علیہ کی دینی اور سیاسی خدمات کو خراج تحسین پیش کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔
"حضرت امام احمد رضا بریلویؒ کی بہت بڑی دینی خدمت یہ ہے کہ انہوں نے اُمت کی آنکھوں پر پڑے ہوئے پردوں کو ہٹانے کی کوششوں میں اپنی زندگی صرف کی اور خدا کے فضل و کرم سے وہ اُمت کو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مقام و مرتبہ سے آگاہ کرنے میں

بڑی حد تک کامیاب ہوئے"۔ آپ لکھتے ہیں "جہاں تک میں نے امام رضا رحمتہ اللہ علیہ کی شخصیت اور ان کے قول وفعل کا مطالعہ کیا ہے مجھے اس حقیقت کا کلیتہً اعتراف ہے کہ انہوں نے اپنے آپ کو مصطفیٰ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی ذات تک پہنچا دیا تھا۔ اور نہ صرف پہنچا دیا تھا بلکہ آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی متابعت کا ایک کامل نمونہ بن گئے تھے"۔ امام احمد رضا علیہ الرحمہ کے سیاسی تدبر کے بارے میں پروفیسر کرم حیدری لکھتے ہیں۔

"حضرت امام احمد رضا علیہ الرحمتہ نے بعض سیاسی فیصلے بھی ایسے کئے جن میں بصیرت نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی راہنمائی کی ان میں ایک فیصلہ تحریک ترک موالات کے بارے میں تھا چونکہ اس تحریک کے راہنما ہندو لیڈر تھے لہذا ۱۹۲۰ء میں انہوں نے ایک رسالہ تحریر کیا۔ جس میں کفار و مشرکین سے اختلاط اور ان کے سیاسی اتحاد کے خطرناک نتائج کا بیان ہے ان کے معتقدین نے "جماعت رضائے مصطفیٰ" قائم کی جس کا دوسرا نام جمہوریت اسلامیہ مرکزیہ رکھا گیا۔ اس "جماعت رضائے مصطفیٰ" نے ہندو مسلم اتحاد و اختلاط کے خلاف کام کیا۔ بعد کے سیاسی واقعات نے ثابت کر دیا کہ جمعیت العلمائے اسلام جو مولانا ابوالکلام کے تابع فرمان تھی اس کی سیاسی حکمت عملی مسلمانان برصغیر کے مفادات کے خلاف تھی جبکہ امام احمد رضاؒ نے جو سیاسی مسلک اختیار کیا تھا وہ درست تھا اور امت کے مفاد میں تھا"۔

(حوالہ پروانہ شمع رسالتؐ۔ پروفیسر کرم حیدری۔ روزنامہ جنگ ۷ نومبر ۱۹۸۵ء)

امام احمد رضا خاں بحیثیت ماہر معیشت

برطانوی سامراج کے تسلط کے بعد مسلمانان برصغیر سیاسی اور اقتصادی طور پر مکمل مفلوج ہو چکے تھے۔ عام تو عام خاص بھی تباہ و برباد ہو گئے۔ خواہ ان کا تعلق خانوادہ مغلیہ سے تھا یا کسی اور شریف خاندان سے۔

ایک مغربی مورخ ڈاکٹر ہنٹر اپنی کتاب "اور انڈین مسلمانز" میں لکھتا ہے کہ

"آج سے ایک سو ستر سال قبل ایک عالی نسب مسلمان کے لئے ناممکن تھا کہ وہ غربت کا شکار ہو۔ لیکن آج اس کے لئے ناممکن ہے کہ وہ خوشحال رہے۔ حکومت کا کوئی دفتر ایسا نہیں جس میں ایک مسلمان کو قلی، چپڑاسی یا دفتری سے اوپر کسی عہدے کی توقع ہو سکے۔"

ہنٹر ایک اور مقام پر لکھتا ہے۔

"حقیقت حال یہ ہے کہ جب ملک ہمارے قبضہ و اختیار میں آیا تو مسلمان ایک برتر قوم تھی۔ وہ صرف ذہنی اور جسمانی لحاظ سے ہی برتر نہ تھی بلکہ سیاسی تنظیم اور فن حکمرانی میں بھی فوقیت رکھتی تھی۔ لیکن آج مسلمانوں پر سرکاری ملازمتوں پر فوقیت اور غیر سرکاری پیشوں کے اعلیٰ مقام کے تمام دروازے بند ہیں۔" (عبداللہ ملک تاریخ پاکستان ص ۱۱۹)

مسلمانوں کو سرکاری ملازمتوں سے قصداً محروم رکھنے کے بارے میں ڈبلیو ہنٹر لکھتا ہے کہ۔

"مسلمان اس حد تک ذلت کے گڑھے میں گر چکے ہیں کہ وہ سرکاری ملازمتوں کے حقدار ہوتے کے باوجود سرکاری اعلان کے ذریعے ان سے محفوظ رکھے جاتے۔ ان کی قابل رحم حالت پر توجہ نہیں دی جاتی بلکہ اعلیٰ سرکاری حکام ان کا وجود تسلیم کرنے کے لئے بھی تیار نہیں تھے۔"

مسلمانوں کی آزادانہ پیشوں سے بیدخلی کے بارے میں ڈبلیو ہنٹر لکھتا ہے کہ۔

"چند سال پہلے وکلاء تقریباً سو فیصد مسلمان ہوتے تھے۔ ۱۸۳۸ میں مسلمان وکلاء کی تعداد

غیر مسلم وکلا کی کل تعداد سے نصف تھی۔ یہ صورت حال ۱۸۵۱ تک موجود رہی۔ ۱۸۵۱ میں وکلاء کو لائسنس جاری کرنے سے پہلے مختلف ٹیسٹ لئے جانے لگے۔ چنانچہ نتیجہ یہ نکلا کہ ۱۸۵۲ سے ۱۸۶۸ تک جن میں ۲۴۰ وکلاء کو لائسنس جاری کیے گئے ان میں ۲۳۹ ہندو اور صرف ایک مسلمان تھا۔ طب کا پیشہ بہت معزز پیشہ تصور کیا جاتا تھا لیکن کمپنی کے دور اقتدار کے دوران مسلمان طبیب خال خال پائے جاتے تھے۔ بلکہ عام طور پر ہندو ڈاکٹروں نے مسلمان اطبا کی جگہ لے لی تھی۔"

(تاریخ پاکستان ر۱۲۲) عبداللہ ملک)

۱۸۶۸ تک تو ہند میں اسلامی برادری کی معاشی بدحالی اور اقتصادی کسمپرسی کی یہ حالت تھی۔ اس دوران مولانا الطاف حسین حالی اور سر سید احمد خان کی مساعی سے مسلمانان ہند کے سیاسی شعور میں بیداری کی ایک لہر اٹھی۔ ۱۸۸۵ میں کانگریس کے قیام سے اور اس کے بعد کانگریس کی منفی سرگرمیوں نے برصغیر کے مسلمانوں کو اپنے اجتماعی مفادات اور حقوق کے تحفظ کے لئے ایک علیحدہ سیاسی تحریک وتنظیم کی ضرورت محسوس ہوئی۔ چنانچہ ۳۰ دسمبر ۱۹۰۶ء کو مسلم لیگ کے نام سے مسلمانوں کی نمائندہ سیاسی جماعت قائم کی گئی۔ لیکن اس خطہ کے مسلمانوں کی معاشی اصلاح وترقی کا مسئلہ وہیں پر تھا۔ سیاست دان یہ سمجھتے تھے کہ جب تک انگریز سے مکمل طور پر سیاسی آزادی نہیں ملے گی۔ ہم معاشی واقتصادی طور پر ترقی و استحکام حاصل کرنے سے محروم رہیں گے۔

برصغیر کے مسلمانوں کی مالی ومعاشی ترقی کا مسئلہ مزید پیچیدہ تھا۔ کیونکہ اس کو انگریز کے ساتھ ساتھ ہندو بنئے سے بھی نپٹنا تھا۔ اب مشکل یہ تھی کہ سیاسی آزادی کے حصول سے پہلے مسلمانان برصغیر ہند دادر انگریز کے معاشی ولدل سے کس طرح نکلیں اور ان شعبوں میں کس طرح ترقی واستحکام حاصل کریں۔ چنانچہ اس انتہائی پیچیدہ اور مشکل مسئلے کا انتہائی مؤثر اور جامع چار نکاتی حل مجدد اسلام امام احمد رضا علیہ الرحمۃ نے ۱۹۱۲ء میں مسلمانانِ ہند کے سامنے پیش کیا۔

۱۔ ماسوائے ان امور کے جن میں حکومت کی دخل اندازی ہے اپنے معاملات باہم فیصل کریں۔ کہ کروڑوں روپے مقدمہ بازی میں نہ اڑیں۔

۲۔ مسلمان اپنی قوم کے سوا کسی سے نہ خریدیں۔

۳۔ بمبئی، کلکتہ، رنگون، مدراس اور حیدر آباد کے تونگر مسلمان اپنے بھائیوں کے لئے

بنک کھولیں۔

۴۔ علم دین کی ترویج واشاعت کریں۔

امام احمد رضا علیہ الرحمہ نے یہ چار نکاتی فارمولا "تدبیر فلاح ونجات واصلاح" کے نام سے پیش کیا۔

امام احمد رضاؒ چاہتے تھے کہ مسلمان ان تمام معاملات ومسائل (جن میں حکومت کی دلالت لازمی تھی) کے علاوہ باہمی جھگڑے یا مقدمہ بازی جیسے امور کا فیصلہ آپس میں مل بیٹھ کر کریں تاکہ لاکھوں ہزاروں روپے خواہ مخواہ ہندو وکیلوں اور انگریزی خزانہ میں جانے سے بچ جائیں اور وہی رقوم ان امور میں خرچ ہو۔ اس سے مسلمان اپنی اقتصادی حالت کو مضبوط بنائیں۔ امام احمد رضا کے پیش کردہ فارمولا کا دوسرا نکتہ بھی انتہائی اہمیت کا حامل تھا۔ آپ نے اس مختصر سے نکتہ میں ہند کے مسلمانوں کو اپنی معیشت وتجارت کو مضبوط تر کرنے کا انتہائی ٹھوس اور جامع حل تجویز کیا۔ اگر اس فکر انگیز اور انقلابی نقطہ پر باقاعدہ منصوبہ بندی سے عمل کیا جاتا تو آج بھارت اور پاکستان کے علاوہ بنگلہ دیش میں بھی مسلمانوں کی معیشت وتجارت مکمل طور پر مستحکم ہوتی۔

امام احمد رضا علیہ الرحمہ کی تیسری تجویز سے یہ بات محسوس ہوتی ہے کہ آپؒ نے جدید معاشی نظریات کا مطالعہ بھی بڑی عمیق نظر سے کیا تھا۔ اور معاشی استحکام کے لئے یورپ کے نظریہ بنکاری نظام کی طرز پر آپ نے بمبئی، کلکتہ، رنگون، مدراس اور حیدرآباد کے امیر مسلمان تجار کو دوسرے مسلمانوں کے لئے بنک کھولنے کی تجویز پیش کی۔ تاکہ مسلمان اپنی تجارت اور دیگر کاروباری امور میں ہندو یا انگریز کے دستِ نگر نہ رہیں۔ اور وہ اپنے اسلامی بنک سے بلا سود قرضے اور امداد حاصل کر سکیں۔ اگر اس تجویز پر فوری عمل کیا جاتا تو یقیناً امام احمد رضا علیہ الرحمۃ بلاسود بنکاری کے نظام کی بنیاد قائم فرما دیتے۔ لیکن آپؒ کی اس نادر تجویز پر فوری عمل نہ کیا گیا۔ اور ۱۹۴۱ء میں بمبئی میں حبیب بنک قائم ہوا۔" ص ۱۹۳

آپؒ کی چوتھی تجویز یہ تھی کہ علم دین کی ترویج واشاعت کریں اور یہ تجویز تمام تجویزوں پہ بھاری تھی۔ اس حقیقت میں کوئی شک نہیں کہ دین اسلام کا علم ہی مسلمانوں کو ان کے علیحدہ تشخص سے آشنا کرتا ہے۔ اسی علم سے مسلمانانِ ہند کی ملی بقاء وابستہ تھی

تحریکِ پاکستان میں امام احمد رضاؒ کے خلفاء و تلامذہ کا انقلابی کردار

اعلیٰ حضرت امام محمد احمد رضا رحمتہ اللہ علیہ کی سیاسی تحریک یہیں پر ختم نہیں ہوئی بلکہ ۱۹۲۱ء میں آپ کے وصال کے بعد آپؒ کے خلفاءؒ تلامذہ اور مریدین نے اسے جاری وساری رکھا۔ امام احمد رضا کے خلفاءؒ جن میں عارف ربانی مولانا سید احمد اشرفی کچھوچھوی، مولانا سید محمد اشرف بہاری پروفیسر علی گڑھ، مجاہد ملت مولانا شاہ احمد مختار میرٹھی، حجۃ الاسلام علامہ حامد رضا خان قادری، صدر المفاضل علامہ سید نعیم الدین مراد آبادی، رئیس المحدثین مولانا سید محمد اشرفی کچھوچھوی حضرت مولانا محمد یعقوب خان بلاسپوری کے نام شامل ہیں اور دیگر مشائخ برصغیر مناظر اسلام سید غلام قطب الدین برہمچاری اشرفی، شیخ المشائخ مولانا سید محمد علی حسین اشرفی، شیخ الفقہا مولانا عبد المجید آنولوی، امیر ملت حضرت سید جماعت علی محدث علی پوری زبدۃ الفقہا حضرت عبد الحفیظ حقانی، حضرت مولانا محمد حسین اجمیری مولانا سید فاضل کچھوچھوی مولانا حسین رام پوری اور حضرت مولانا محمد یٰسین عباسی نے مل کر اہل سنت کی ملک گیر سیاسی اور مذہبی تنظیم الجمعیۃ العالیۃ المرکزیہ یعنی آل انڈیا سنی کانفرنس کی بنیاد ۱۹ مارچ ۱۹۲۵ء میں رکھی۔ آل انڈیا سنی کانفرنس کا پہلا افتتاحی اجلاس ۱۶ مارچ ۱۹۲۵ء کو مراد آباد میں منعقد ہوا جس میں تین سو علمائے کرام اور مشائخ عظام نے شرکت کی۔ یہ اجلاس چار روز جاری رہا اور ۱۹ مارچ ۱۹۲۵ء کو اختتام پذیر ہوا۔ آل انڈیا سنی کانفرنس کا دوسرا عظیم الشان اجلاس ۱۹۳۵ء میں بدایوں میں منعقد ہوا اس کے بعد آل انڈیا سنی کانفرنس کا تیسرا فقید المثال اجلاس پھپھوند ضلع اٹاوہ میں ۱۱ فروری ۱۹۴۶ء میں منعقد ہوا۔ آل انڈیا سنی کانفرنس کا چوتھا تین روزہ اجلاس ۲۷ اپریل تا ۳۰ اپریل ۱۹۴۶ء کو بنارس میں منعقد ہوا جس میں دو ہزار علماء و مشائخ کے علاوہ لاکھوں کی تعداد میں عوام الناس نے شرکت کی۔ پانچویں عظیم الشان سنی کانفرنس مئی ۱۹۴۶ء کو شاہ جہاں پور

یوپی میں منعقد ہوئی۔ جبکہ ۲۰ رمئی ۱۹۴۶ء کو بھیونڈی میں پیرزادہ حضرت بشیر میاں صاحب خیرآبادی کی صدارت میں بھی منعقد ہوئی۔

ساتویں سنی کانفرنس مولانا شاہ غلام رسول قادری کی زیر صدارت کراچی میں منعقد ہوئی۔

آل انڈیا سنی کانفرنس نے علماء مشائخ اہل سنت کی قیادت میں ۲۱ سال کے دورانیہ میں (۱۹۲۵ء سے ۱۹۴۶ء) تک سات عظیم الشان سنی کانفرنسیں منعقد کرکے دو قومی نظریہ کی ترویج اشاعت کو تیز تر کر دیا۔ متحدہ قومیت اور اکھنڈ بھارت کا نظریہ رکھنے والے کانگریسی احراری اور دیوبندی علماء کا ڈٹ کر مقابلہ کیا اور ۱۹۴۰ء میں قرارداد پاکستان منظور ہونے کے بعد برصغیر کے طول و عرض میں ہونے والی تمام سنی کانفرنسوں میں قیام پاکستان کی مکمل اور پُرزور حمایت کے ساتھ اس جدوجہد میں شریک ہو گئے۔

امام محمد احمد رضا رحمتہ اللہ علیہ کے تمام خلفاء و تلامذہ اور مریدین کے علاوہ دیگر علماء و مشائخ اہل سنت نے تحریک پاکستان میں جس مجاہدانہ اور سرفروشانہ انداز میں بھرپور حصہ لیا اس کا اندازہ ہم آل انڈیا سنی کانفرنس کے زیر اہتمام منعقد ہونے والی عظیم الشان سنی کانفرنسوں اور اجلاسوں میں پڑھے گئے خطبات سے لگا سکتے ہیں۔ انہی خطبات میں سے چند خطبات کے اقتباسات پیش خدمت ہیں۔

محمد جلال الدین قادری اپنی تصنیف "خطبات آل انڈیا سنی کانفرنس" میں لکھتے ہیں۔

"کانگریسی وزارت کے خاتمے پر قائداعظم کی اپیل پر پورے ملک میں یوم نجات منایا گیا۔ مورخہ ۲۲ ردسمبر ۱۹۳۹ء کو علی پور سیداں ضلع سیالکوٹ میں "یوم نجات" کی تقریب میں آل انڈیا سنی کانفرنس کے صدر امیر ملت پیر سید جماعت علی شاہ محدث علی پوری علیہ الرحمہ نے فرمایا۔

دو جھنڈے ہیں ایک اسلام کا دوسرا کفر کا۔ مسلمانوں! تم کس جھنڈے کے نیچے کھڑے ہوگے؟ سب نے باآواز بلند کہا اسلام کے جھنڈے کے نیچے! پھر ارشاد فرمایا جو کفر کے جھنڈے کے نیچے کھڑے ہوں گے، ان میں سے اگر کوئی مر جائے گا تو کیا اس کی نماز جنازہ پڑھوگے؟ سب نے انکار کیا۔ پھر —— دریافت فرمایا کیا تم مسلمانوں کے قبرستان میں اس کو دفن کرو گے سب نے اقرار کیا نہیں ہرگز نہیں۔ پھر ارشاد فرمایا —— اس وقت سیاسی میدان میں اسلامی

جھنڈا مسلم لیگ کا ہے۔ ہم بھی مسلم لیگ کے ساتھ ہیں اور سب مسلمانوں کو مسلم لیگ میں شامل ہونا چاہیے۔"

(ہفت روزہ الفقیہہ امرتسر ۷ جنوری ۱۹۴۰ء صفحہ ۸)

بحوالہ خطبات آل انڈیا سنی کانفرنس صفحہ ۳۹

صدر جماعت استقبالیہ سنی کانفرنس کچھوچھ حضرت مولانا سید مصباح الحسن علیہ الرحمۃ نے ۱۹۴۶ء بمطابق ۸ ربیع الاول ۱۳۶۵ھ کو کچھوچھ میں منعقدہ سنی کانفرنس کے خطبہ صدارت میں فرمایا۔

"عصر حاضرہ میں مسلمانان ہند کی سیاست نے ۱۹۴۲ء میں جو نئی کروٹ بدلی ہے اور مسئلہ پاکستان یعنی قیام حکومت اسلامیہ کا جو جذبہ عوام اور خواص میں پیدا ہو رہا ہے اسے ہمارے طبقہ علمائے اہل سنت نے یہی نہیں کہ دور بیٹھ کر صرف مطالعہ ہی کیا۔ بلکہ ہماری جماعت کے محترم علماء مجاہدانہ حیثیت سے از اول تا آخر اس جذبہ کے محرک و مؤید بنے ہوئے ہیں اور کانگریس جیسی ہندو جماعت کے مقابلے پہ دس سال کے طویل زمانہ سے بے پناہ خدمات انجام دے کر کانگریس کی ہر تحریک کو مردہ کر چکے ہیں اپنی جماعت کے افراد کی خود نمائی مقصود نہیں۔ بلکہ یہ ناقابل انکار حقیقت ہے کہ صرف ہمارے طبقہ کے علماء و مشائخ ہیں جن کی مسلسل خدمت اور سعی سے مسلم لیگ اپنے مقاصد میں کامیاب نظر آ رہی ہے۔ وہ کونسا وقت ہے جس پر ہمارے افراد نے انتہائی قربانیاں نہیں فرمائیں۔ مرکزی اسمبلی کے حلقہ انتخاب میں کونسا رقبہ تھا جہاں ہمارے افراد نے کار ہائے نمایاں انجام نہیں دیئے اور صوبہ جاتی انتخابی مہم میں بھی الحمد للہ صف اول میں موجود ہیں اور کانگریس حلقہ جات انتخابات میں شکست دینے کے لئے آل انڈیا سنی کانفرنس سے تعلق رکھنے والا ہر بزرگ اپنی نہایت بیش قیمت خدمات انجام دے رہا ہے پس ان حالات و خدمات سے ظاہر و عیاں ہے کہ سنی کانفرنس پاکستان اور مسئلہ انتخاب میں الحمد للہ اپنا کام کر رہی ہے۔"

خطبات آل انڈیا سنی کانفرنس صفحہ ۲۴۹ تا صفحہ ۲۵۰

آل انڈیا سنی کانفرنس کا ایک چار روزہ تاریخ ساز اجلاس ۲۴ تا ۲۷ جمادی الاول بمطابق ۲۷ تا ۳۰ اپریل ۱۹۴۶ء کو بنارس میں منعقد ہوا۔ جس میں دو ہزار مشائخ و علما اور لاکھوں مسلمانوں نے شرکت کی اس تاریخی اجلاس سے خطاب کرتے ہوئے رئیس المحدثین حضرت

سید محمد محدث کچھوچھوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا تھا۔

"۔۔۔۔ ہماری کامیابی نظر آرہی ہے اب ہم زندگی کی آس لگانے میں حق بجانب ہیں اب آپ کی پاک نگاہی، پاک تدبیر، پاک تعلیمات ہم کو پاکستان عطا کردیں گی۔

میرے دینی راہنماؤ! میں نے عرضداشت میں بھی ابھی پاکستان کا لفظ استعمال کیا ہے اور پہلے بھی کئی جگہ پاکستان کا لفظ آچکا ہے ملک میں اس لفظ کا استعمال روزمرہ بن گیا ہے۔ درودیوار پر پاکستان زندہ باد، تجاویز کی زبان میں پاکستان ہمارا حق ہے۔ نعروں کی گونج میں پاکستان لے کے رہیں گے۔ خانقاہوں میں بازاروں میں ویرانوں میں لفظ پاکستان لہرا رہا ہے۔ اس لفظ کو پنجاب کا یونینسٹ لیڈر بھی استعمال کرتا ہے اور ملک بھر میں ہر لیگی بھی بولتا ہے اور ہم سنیوں کا بھی یہی محاورہ ہوگیا۔ جو لفظ مختلف ذہنیتوں کے استعمال میں ہو اس کے معنی مشکوک ہوجاتے ہیں۔ جب تک بولنے والا اس کو واضح طور پر بتا نہ دے۔ یونینسٹ کا پاکستان وہ ہوگا جس کی مشینری سردار جوگندر سنگھ کے ہاتھ ہوگی۔ لیگ کے پاکستان کے متعلق دوسری قومیں چیختی ہیں کہ اب تک اس نے پاکستان کے معنی نہ بتائے اور جو بتائے وہ بھی الٹے پلٹے ایک دوسرے سے لڑتے بتائے اگر یہ صحیح ہے تو لیگ اس کا ذمہ دار ہے۔ لیکن جن سنیوں نے لیگ کے اس پیغام کو قبول کیا ہے اور جس مسئلے پر لیگ کی تائید کرتے پھرتے ہیں۔ وہ صرف اس قدر ہے کہ ہندوستان کے ایک حصے پر اسلام کی، قرآن کی آزاد حکومت ہو۔ ۔۔۔۔۔

وہ صرف اتنا سمجھ کر کہ قرآنی حکومت اسلامی اقتدار لیگ کا مقصد ہے اس کے ساتھ ہوگئے ہیں۔ ان کو چھوڑ کر لیگ باقی ہی نہیں رہتی ۔۔۔۔"

ص ۲۷۵ تا ص ۲۷۶ خطبات آل انڈیا سنی کانفرنس

اس عظیم الشان سنی کانفرنس کی تیسری مجلس میں ۲۹ اپریل ۱۹۴۶ء بوقت صبح نو بجے تا ایک بجے دوپہر اندرون باغ خاطماں سب سے پہلی جو قرارداد منظور ہوئی وہ مطالبہ پاکستان کی پرزور حمایت کے بارے میں تھی۔

قرارداد میں کہا گیا کہ۔ آل انڈیا سنی کانفرنس کا یہ اجلاس مطالبۂ پاکستان کی پرزور حمایت کرتا ہے اور اعلان کرتا ہے کہ علمأ و مشائخ اہل سنت اسلامی حکومت کے قیام کی تحریک کو کامیاب بنانے کے

لئے ہر امکانی قربانی دینے کے واسطے تیار ہیں اور یہ اپنا فرض سمجھتے ہیں کہ ایک ایسی حکومت قائم کریں جو قرآن کریم اور حدیث نبویہ کی روشنی میں فقہی اصول کے مطابق ہو" (ص ۲۸۳ خطبات آل انڈیا سنی کانفرنس)

حضرت خواجہ خواجگان معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ کے عرس کے موقع پر ۷، ۸ رجون ۱۹۴۶ء کو آل انڈیا سنی کانفرنس اجمیر میں منعقد ہوئی اس عظیم الشان اجلاس کی صدارت سید آل رسول علی خاں سجادہ نشین اجمیر شریف نے فرمائی۔ ہزاروں علماء و مشائخ کے علاوہ ایک لاکھ سے زائد عوام الناس نے اس کانفرنس میں شرکت کی۔ حضرت سید محمد اشرف محدث کچھوچھوی صدر آل انڈیا سنی کانفرنس، حضرت علامہ صدر الفاضل نعیم الدین مراد آبادی ناظم عمومی، حضرت عبد الحامد بدایونی قادری، ناظم نشر و اشاعت، مبلغ اسلام حضرت علامہ شاہ عبد العلیم صدیقی میرٹھیؒ، حاجی محمد عارف مین، مولانا جیلانی میاں، مولانا نذیر حسین دہلوی حضرت مولانا سید عبد المجید اور مولانا محمد عابد القادری کی تقاریر اور مساعی نے اس اجلاس کو کامیاب بنایا۔

(خطبات آل انڈیا سنی کانفرنس ص ۲۹۶)

اجمیر شریف میں منعقدہ آل انڈیا سنی کانفرنس کے اس اجلاس سے خطاب کرتے ہوئے حضرت سید محمد محدث کچھوچھوی صدر آل انڈیا سنی کانفرنس نے فرمایا۔

"اے سُنی بھائیوں! اے مصطفےٰ کے لشکریوں! اے خواجہ کے مستو! اب تم کیوں سوچو کہ سوچنے والے مہربان آ گئے اور تم کیوں رُکو! کہ چلنے والی طاقت آ گئی۔ اب بحث کی لعنت چھوڑو اب غفلت کے جرم سے خود باز آؤ۔ اٹھ پڑو و کھڑے ہو جاؤ۔ چلے چلو۔ ایک منٹ بھی نہ رُکو پاکستان بنا لو تو جا کر دم لو۔ کہ یہ کام اے سُنیو —— سن لو کہ تمہارا ہے۔ حضرات! میں نے بار ہا پاکستان کا نام لیا اور آخر میں صاف کہہ دیا کہ پاکستان بنانا صرف سُنیوں کا کام ہے اور پاکستان کی تعمیر آل انڈیا سنی کانفرنس ہی کرے گی۔ اس میں سے کوئی بات بھی نہ مبالغہ ہے نہ شاعری ہے۔ اور نہ سنی کانفرنس سے غلو کی بنا پر ہے۔ پاکستان کا نام بار بار لیں جس قدر ناپاکوں کو چڑ ہے اسی قدر پاکوں کا وظیفہ ہے اور اپنا اپنا وظیفہ کون سوتے جاگتے، اٹھتے بیٹھتے، کھاتے پیتے پورا نہیں کرتا۔ اب رہا پاکستان کا رسُنیاں است۔ یہ ملک کی کسی جماعت سے سیاسی تصادم کے لئے

نہیں کہا ہے بلکہ یہ ایک حقیقت ہے جس کا اظہار بلا خوف لومۃ لائم کر دیا ہے۔

"اوّل تو مسلم لیگ کے سوا کوئی ٹولی ایسی نہیں جو پاکستان کے ساتھ لفظی موافقت بھی رکھتی ہے۔ الکفر ملۃ واحدۃ سارے ناپاکوں نے اپنے اندر بیشمار اختلافات رکھتے ہوئے پاکستان کے خلاف صف آرائی کر لی ہے اور مسلم لیگ میں پاکستان کا پیغام کس سے پہنچا اور کن لوگوں نے مسلم لیگ کا عقیدہ اس کو بنایا؟ اگر تاریخی طور پر دیکھا جائے تو وہ صرف سُنی ہیں۔ پاکستان کے معنی اسلامی قرآنی آزاد حکومت ہے۔ مسلم لیگ سے ہمارے سُنی کانفرنس کی مجلس عاملہ کے رکن حضرت سید زین الحسنات صاحب سجادہ نشین مانکی شریف (سرحد) نے لکھوا لیا ہے۔ اگر ایک دم سارے سُنی مسلم لیگ سے نکل جائیں، تو کوئی مجھے بتا دے کہ مسلم لیگ کس کو کہا جائے گا۔ اس کا دفتر کہاں رہے گا۔ اور اس کا جھنڈا سارے ملک میں کون اٹھائے گا؟ ان حقائق میں کیا اس دعوے کی روشنی موجود نہیں کہ پاکستان صرف سُنیوں کو بنانا ہے"۔

صـ۳۰۶ خطبات آل انڈیا سُنی کانفرنس)

۲۳ تا ۲۵ صفر ۱۳۶۵ھ مطابق ۲۸، ۳۰ جنوری ۱۹۴۶ء کو بریلی شریف میں امام محمد احمد رضا قادری رحمۃ اللہ علیہ کے سالانہ عرس کے موقع پہ بھی صدر الافاضل علامہ محمد نعیم الدین مراد آبادی اور فقیہہ کی شہرہ آفاق کتاب "بہار شریعت" کے مصنف صدر الشریعہ حضرت علامہ امجد علی اعظمی علیہ الرحمہ نے مسئلہ پاکستان کی حمایت میں پُر زور تقاریر فرمائیں۔

صدر الشریعہ علامہ امجد علی اعظمی نے اس موقع پر مسلمانان ہند کو کانگریس کی چالبازیوں سے آگاہ کرتے ہوئے فرمایا۔

"کانگریس فتنہ عظیمہ ہے۔ وہ ہندوستان سے مسلمانوں کے استحصال کا ارادہ کر چکی ہے اس کی بڑی سے بڑی آواز یہی ہے۔ یہی اس کا سوراج ہے۔ یہی اس کی آزادی ہے ہم ہمیشہ سے مسلمانوں کو اس کے دام تزویر سے بچانے کی سعی کرتے رہے ہیں اور اس کی اسلام دشمنی کا بے دریغ اظہار کرتے رہے ہیں۔ .... ہماری تمام سُنی کانفرنسیں جو ملک کے گوشہ گوشہ میں ہر ہر صوبہ میں قائم ہیں کانگریس کے مقابلہ میں پوری جدوجہد کر رہی ہیں چنانچہ پچھلے الیکشن میں ان کانفرنسوں کی کوششیں کامیاب ہوئیں اور کانگریس کو شکست ہوئی"۔.. صـ۳۱۰

صدر الافاضل حضرت علامہ محمد نعیم الدین مراد آبادی نے اس موقع پر تقریر کرتے ہوئے فرمایا:
"اگر آپ کو پاکستان حاصل کرنا ہے تو آپ اسلامی زندگی حاصل کیجئے اور اسلامی قوانین کے خود پابند ہو جائیے۔ اپنے گھر والوں کو پابند کیجئے۔ تب محلہ والوں پر ان کی بات کا اثر ہوگا۔ پاکستان حاصل کرنے کے لئے ضروری ہے کہ آپ ظاہر و باطن سے اسلام کے فدائی ہوں۔ آپ کے عمل اور آپ کی وضع بتاتی ہو کہ جو مطالبہ آپ کی زبان پر ہے اس کا جذبہ صادقہ آپ کی رگ و پے میں سرایت کر چکا اور جب آپ کا اس جوش صادق کے ساتھ عزم راسخ ہو تو پھر پاکستان کا کوئی بھی روکنے والا نہیں۔" ص ۳۱۱

۳ مئی ۱۹۴۶ء کو لاہور کی شاہی مسجد میں انجمن نعمانیہ ہند لاہور کا ساٹھواں اجلاس شیخ الاسلام خواجہ محمد قمر الدین سیالوی علیہ الرحمہ کی زیر صدارت ہوا جس سے خطاب کرتے ہوئے آل انڈیا سنی کانفرنس کے رکن مولانا عبد الحامد بدایونی رح نے فرمایا۔
"ہندوستان کے مسلمانوں کی تمام خرابیوں کا واحد حل قیام پاکستان میں مضمر ہے۔ پاکستان دس کروڑ مسلمانوں کی زندگی اور موت کا سوال بن چکا ہے۔ ہم آزادانہ زندگی بسر کرنے کے لئے یا تو پاکستان حاصل کریں گے اور یا مٹ جائیں گے۔ دوٹوک فیصلہ کی گھڑی آپہنچی ہے ہم پاکستان کی راہ کے ہر روڑے کو ہٹا دینے کا عزم بالجزم کر چکے ہیں۔" وزارتی مشن کو تنبیہہ کرتے ہوئے مولانا نے فرمایا "اگر دس کروڑ مسلمانوں کی واحد نمائندہ جماعت مسلم لیگ کو نظر انداز کرنے کی کوشش کی گئی تو اس کے نتائج نہایت المناک ہوں گے۔" ص ۳۱۵

یہ اقتباسات آل انڈیا سنی کانفرنسوں میں پڑھے جانے والے چند خطبات اور تقاریر سے لئے گئے ہیں۔ علماء و مشائخ اہل سنت کی یہ عظیم جد و جہد اس حقیقت کی غماز ہے کہ پاکستان کا قیام، صرف مسلم لیگ ہی نہیں بلکہ آل انڈیا سنی کانفرنس کی بھی مجاہدانہ کاوشوں سے ممکن ہوا اور آل انڈیا سنی کانفرنس جیسی عظیم تحریک کے بانی اور محرکین یا تو امام محمد احمد رضا شاہ بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے تلاوزہ اور خلفاء تھے یا ان کے معتقدین، اس طرح بالواسطہ طور پر امام اہل سنت حضرت محمد احمد رضا شاہ بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کی کوششیں اور ان کی فکری اور نظریاتی رہنمائی قیام پاکستان کے لئے وہی اہمیت رکھتی ہے جو اس سلسلہ میں قائد اعظم محمد علی جناح علیہ الرحمہ اور حکیم الامت حضرت

علامہ محمد اقبال علیہ الرحمۃ کو حاصل ہے اس حقیقت کا اعتراف کرتے ہوئے مشہور صحافی کالم نگار اور اسلامی اسکالر میاں عبدالرشید اپنی کتاب

آل انڈیا سُنی کانفرنس نے صحافت کے میدان میں بھی دو قومی نظریہ کی ترویج و اشاعت اور قیام پاکستان کے لئے انقلابی جدوجہد کی۔ امام احمد رضا بریلوی علیہ الرحمۃ کے خلیفہ اور شاگرد صدر الفاضل محمد نعیم الدین مراد آبادی نے ۱۹۱۸ء میں مراد آباد سے ماہنامہ "السواد الاعظم" جاری کیا۔ جبکہ اس کی ادارت تاج العلماء علامہ مفتی محمد عمر نعیمی نے سنبھالی۔ اس کے علاوہ برصغیر میں اہل سنت کا ترجمان ہفت روزہ "الفقیہہ" امرتسر سے جاری ہوا۔ جبکہ رام پور سے "دبدبہ سکندری" کے نام سے ایک روزنامہ ۱۸۶۶ء سے جاری ہوا۔

آج پاکستان میں تاریخ کا ایک طالب علم جب تاریخ تحریکِ پاکستان، یا مطالعہ پاکستان کا مطالعہ کرتا ہے تو مورخین کی تاریخی بددیانتی، تعصب اور تنگ نظری کا شکار ہو کر رہ جاتا ہے وہ یہ دیکھ کر حیرت و استعجاب میں ڈوب جاتا ہے کہ ہماری تاریخ میں ان لوگوں کو "ہیرو" بنا کر پیش کیا جا رہا ہے جنہوں نے دو قومی نظریہ کی مخالفت کی اور متحدہ قومیت کا پرچار کیا۔ برصغیر میں تحریک احیائے اسلام کا سہرا اُن کے سر سجایا جا رہا ہے جو ایک آزاد اسلامی ریاست پاکستان کے سخت مخالف اور اکھنڈ بھارت کے زبردست حامی تھے۔ میٹرک سے لے کر ایم۔ اے تک تاریخِ تحریک پاکستان اور مطالعہ پاکستان کے موضوع پر جتنی بھی کتب نصاب میں شامل ہیں ان میں آل انڈیا سُنی کانفرنس کی عظیم جدوجہد کا ذکر تک نہیں۔ صرف بعض کتب میں ضمنی طور پر چند علماء و مشائخ کا نام درج

کیا گیا ہے۔ میں وزارتِ تعلیم پاکستان سے گزارش کروں گا کہ وہ اس سلسلہ میں فوری اور موثر اقدامات کرکے تحریک پاکستان کی جامع اور مستند تاریخ مرتب کرے اور صرف اسی جامع اور مستند تاریخ کو مطالعہ پاکستان وغیرہ کے نصاب کے لئے منظور کرے۔

برصغیر میں تجدد احیائے دین اور دو قومی نظریہ کی ترویج و اشاعت کے لئے امام احمد رضا کی تاریخی جدوجہد اور عظیم کردار کو واضح طور پر اس تاریخ میں شامل کیا جائے۔ اور اس کے علاوہ قیام پاکستان کے لئے آل انڈیا سُنی کانفرنس کی انقلابی جدوجہد اور علماء مشائخ اہل سنت کے مجاہدانہ کردار کو مکمل طور پر تحریک پاکستان کی تاریخ اور مطالعہ پاکستان کے نصاب میں شامل کیا جائے اور اگر ایسا نہ کیا گیا تو یہ نہ صرف ایک تاریخی بددیانتی ہوگی بلکہ یہ منفی طرز عمل قیام پاکستان کے لئے اپنا سب کچھ قربان کردینے والے علماء و مشائخ اہل سنت سے غداری کی بدترین مثال ہوگی۔

۱- فتوئ رضویہ فی العطایا نبویہ - امام احمد رضا قادری رحمتہ اللہ علیہ

۲- احکام شریعت

۳- بیعت و خلافت

۴- اعلام الاعلام بان ہندوستان دار السلام

۵- امام احمد رضا نمبر — المیزان ممبئی

۶- ملفوظات اعلیٰ حضرت رح — مفتی اعظم محمد مصطفیٰ رضا قادری

۷- فاضل بریلویؒ اور ترک موالات — پروفیسر محمد مسعود سید احمد

۸- تحریک آزادی ہند اور السواد الاعظم

۹- امام اہل سنت

۱۰- گناہ بیگناہی

۱۱- فاضل بریلویؒ اور امور بدعت — سید فاروق القادری

۱۲- خطبات آل انڈیا سُنی کانفرنس — محمد جلال الدین قادری

۱۳- تحریک پاکستان — پروفیسر احمد سعید

۱۴- تاریخ پاکستان — محمد عبداللہ ملک

۱۵- اتاترک — ٹرکش نیشنل کمیشن برائے یونیسکو

۱۶- ابدالیہ — حضرت یعقوب چرخی رحمتہ اللہ علیہ

۱۷- MY REMINISCENCS. BY. M. S. TOOSY

۱۸- ماہنامہ ضیائے حرم - شمارہ اکتوبر سنہ ۱۹۸۵ء

۱۹- روزنامہ جنگ راولپنڈی - اشاعت ۷ نومبر ۱۹۸۵ء

۲۰- منزل ڈائری — انجمن طلباء اسلام پاکستان (کراچی)

تبرّکاتِ رضا

عشقِ احمد میں جسے چاک گریباں دیکھا

گُل ہوا صبح ہمیشہ اسے خنداں دیکھا

تھا ملاقاتِ رضا کا ہمیں اک عُمر سے شوق

بارے آج اُس کو مدینہ میں غزل خواں دیکھا

امام احمد رضا بریلوی رحمہ اللہ تعالیٰ